

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نماز کے سلسلہ میں یوسف لدھیانوی صاحب کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات

www.sirat-e-mustaqeem.net
مؤلف:

محمد اشتیاق

امیر جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتابت	عبدالمجید
سال طباعت	۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء
اشاعت	اول
تعداد	دو ہزار
قیمت	

محمد حقوق سنی تحق جماعت المسلمین
رجسٹرڈ (رجسٹریشن نمبر ۱۹۸۵/۳۶۶) محفوظ ہیں۔

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کھوکھرا پار، ۲/۲، کراچی۔

فون ۲۰۷۵۲۲

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	عیدین کی نماز میں بارہ تکبیرات والی احادیث صحیح ہیں۔	۱۰
۲	چار تکبیروں سے عید کی نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۲۵
۳	عیدین کا خطبہ سننا ضروری ہے۔	۳۹
۴	وضوء کے بعد ایک چلو پانی رومالی پر ڈالنے کی حدیث صحیح ہے۔	۴۲
۵	اگر شرم گاہ پر کپڑا ہو تو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔	۴۹
۶	اسبال فی السلوة حدیث حسن ہے۔	۵۳
۷	سجدہ سہومیں تشہد پڑھ کر سلام پھیرے؟	۶۱
۸	نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟	۷۲

صفحہ	عنوان	نمبر
۱۰۹	{ نماز کا سلام پھیرتے وقت ”وَبَرُكَائِہُ“ کے الفاظ ثابت ہیں۔	۹
۱۱۲	دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھی جائیں یا نہیں ؟	۱۰
۱۷۹	{ جمعہ کے لئے گاؤں ، قصبہ اور شہر کی کوئی قید نہیں۔ ہر جگہ جمعہ ہو سکتا ہے۔	۱۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نماز کے سلسلہ میں چند اعتراضات اور ان کے جوابات

ایوسف لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں :-

اعتراض | بارۃ تکبیرات کی احادیث متعدد صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں۔ لیکن محدثین
کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے کوئی روایت بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۷۷ جز ۲)

متعدد ائمہ نے بارۃ تکبیرات والی احادیث کو صحیح،

جواب | یا حسن کہا ہے۔ جیسے امام بخاری، امام ترمذی

امام بیہقی، امام دارقطنی، امام احمد، علامہ ساعاتی، ابن عبدالبر
اور امام عراقی۔

احادیث ملاحظہ فرمائیے :-

اَنْ الْمَسِيحُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي عِيدِ ثِنْتَيْ عَشْرَةِ تَكْبِيرًا سَبْعًا فِي الْاَوَّلِ وَخَمْسًا فِي الْاٰخِرَةِ.....
بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید (کی نماز میں) بارہ تکبیرات کہتے۔ سات تکبیرات پہلی رکعت میں اور پانچ تکبیرات دوسری رکعت میں۔

(رواہ ابو داؤد و الدارقطنی،

الفتح الربانی ۴/۱۴۱)

قال البيهقي حديث عبد الله بن عبد الرحمن الطائفي صحيح (رواه،
امام بیہقی نے عبد اللہ بن عبد الرحمن الطائفی کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

البیہقی، الفتح الربانی ۱/۱۴۱

علامہ ساعاتی کہتے ہیں: امام بیہقی نے اس حدیث کو اس لئے صحیح کہا ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی نے یہ حدیث خود عمرو بن شعیب سے سنی ہے۔ (فتح ربانی جزء ۶ ص ۱۴۱) مزید برآں عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی سے امام مسلم نے صحیح مسلم میں حجت لی ہے۔ جب امام بخاری یا امام مسلم یا دونوں کسی راوی سے حجت لیں تو اس راوی پر سے جرح ختم ہو جاتی ہے۔ (نخبۃ الفکر) یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے امام مسلم کی موافقت کرتے ہوئے حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اب کسی اور صفائی کی ضرورت تو باقی نہیں رہی مگر ہم پھر بھی وضاحت کرتے ہیں تاکہ عوام دھوکہ نہ کھائیں۔

(۱) امام علی بن ندیب عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی کو ثقہ کہتے ہیں۔

(۲) امام عجل ثقتہ کہتے ہیں۔

(۳) ابن حبان ثقتہ کہتے ہیں۔

(۴) امام دارقطنی معتبر کہتے ہیں۔

(۵) وقال ابن عبدی کہتے ہیں: عبد اللہ

عدي يروي عن عمرو بن عبد الرحمن الطائفي أنه جو

بن شعيب احاديثه احاديث عمرو بن شعيب سے

مُسْتَقِيْمَةٌ وَهِيَ كِتَابُ رِوَايَتِ كِي هِي وَه سَبْ طِيَك

حديثه (تہذیب التہذیب) ہیں کیونکہ وہ ان کی احادیث

لکھا کرتے تھے۔ (۲۹۹/۵)

امام یحییٰ بن معین کبھی صالح کہتے ہیں اور کبھی

ضعیف کہتے ہیں اور کبھی صوبیح، کبھی کہتے ہیں: لیس بہ

بأس (تہذیب) یعنی یہ راوی اچھا ہے اس سے حجت لینے میں

کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اگر کسی نے لین الحدیث یا لیس بالقوی

کہا ہے تو عبداللہ بن عبد الرحمن سے امام مسلم کے روایت کرنے سے یہ جرح کالعدم ہو جاتی ہے۔ مزید اس حدیث کی توثیق ملاحظہ فرمائیے :-

ورواہ احمد وابوداؤد	(مندرجہ بالا) حدیث کو امام
وابن ماجہ والدارقطنی	احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور
من حدیث عمرو بن	دارقطنی نے عمرو بن شعیب
شعیب عن ابیہ عن	عن ابیہ عن جدہ سے روایت
جدہ وصحہ احمد	کیا ہے اور (اس حدیث کو)
وعلی والبخاری فیما	امام احمد، علی بن مدینی اور
حکاہ الترمذی	امام بخاری نے صحیح کہا ہے۔
(تلخیص ابن حجر	جس کو امام ترمذی نے
جزء ۲ ص ۸۷)	بیان کیا ہے۔

ونقل الترمذی فی امام ترمذی نے علل مفردہ

العلل المفردة عن میں امام بخاری سے نقل
 البخاری اثنہ قال انه کیلئے کہ امام بخاری
 حدیث صحیح (نیل) کہتے ہیں۔ یہ حدیث
 الاوطار جزء ۴ ص ۲۵۴) صحیح ہے۔
 قال العراقي اسنادہ علامہ عراقی کہتے ہیں: (اس
 صالح (نیل الاوطار حدیث) کی سند عمدہ ہے۔
 جزء ۴ ص ۲۵۴)

لذا حدیث بالکل صحیح ہے۔ اب کسی شک و شبہ کی
 گنجائش نہیں۔ اب یوسف لدھیانوی صاحب کا یہ کہنا کہ ائمہ
 کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے "کس
 حد تک صحیح ہے۔ یوسف صاحب نے ائمہ کی طرف ایک غلط
 بات کو منسوب کیا ہے، ہم اس کو یوسف لدھیانوی صاحب کی
 غلط بیانی کہیں یا غلط فہمی۔

اعتراض | یوسف صاحب فرماتے ہیں:-

”امام ترمذی نے اس حدیث کی جو تحسین کی ہے، محدثین اس سے بھی متفق نہیں شاید اس سے بہتر عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی کی روایت ہے، (عن عمرو بن شعیب عن ابنہ عن جدّہ) جسے امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے (ص ۱۶۳) اگرچہ اس میں بھی متعدد وجوہ سے کلام ہے (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۱۷۱)

جواب | امام ترمذی نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کی حدیث نقل کر کے کہا تھا کہ اس باب میں اس سے اچھی حدیث نہیں ہے اور کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے تو امام ترمذی کے بیان سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس باب میں دوسری احادیث اس سے بھی زیادہ ضعیف ہونگی۔ لیکن ایسا نہیں ہے امام ترمذی نے خود عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی کی حدیث کو صحیح

مانا ہے اور اپنے اس جملہ کی خود نفی کر دی ہے کہ ”اس باب میں اس سے بہتر حدیث نہیں ہے“ قارئین کرام جیسا کہ آپ حضرات سابقہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں کہ عبداللہ بن عبد الرحمن الطائفی کی حدیث کو بڑے بڑے ائمہ نے صحیح مانا ہے حتیٰ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اب یوسف صاحب کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن عبد الرحمن الطائفی کی حدیث میں بھی ”متعدد وجوہ سے کلام ہے“ قارئین دھوکا اور فریب ہے۔

نماز عیدین میں بارۃ تکبیرات ہیں فرید احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم التكبير
رسول الله صلى الله عليه وسلم
نے فرمایا، عیدین میں سات

فی العیدین سبعا قبل تکبیرات قرأت سے پہلے ہیں اور
 القراءة وخمساً بعد پانچ قرأت کے بعد یعنی پہلی
 القراءة (الفتح الربانی قرأت کے بعد۔
 جزء ۴ ص ۱۴)

اس روایت میں ”عبداللہ بن لہیعہ“ صدوق ہیں۔
 (تقریب) ضعیف نہیں ہیں۔ ان کے حافظہ میں ان کی کتابیں
 جلنے کی وجہ سے بھول واقع ہو گئی تھی، باقی اور کوئی خرابی نہیں
 ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ کی موافقت نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ
 کمر ہے ہیں۔ کہتے ہیں:-

شہدت الاضحیٰ میں عید الاضحیٰ اور عید الفطر
 والفطر مع ابی ہریرۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے
 فکبر فی الركعة الاولى ساتھ حاضر ہوا۔ پہلی رکعت میں
 سبع تکبیرات قبل قرأت سے قبل انہوں نے

القرأة وفي الآخرة سات تکبیرات مسلسل کہیں اور
 خمس تکبیرات قبل دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات
 القرأة (موطا امام قرأت سے پہلے مسلسل
 مالک ۱۸۰/۱) کہیں۔

لہذا عبداللہ بن حبیبہ کا بھول کا حدیث ختم ہو گیا اور
 حدیث صحیح لغیرہ کے درجہ کو پہنچ گئی۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا

کہتی ہیں :-

ان رسول اللہ صلی بے شک رسول اللہ صلی اللہ
 اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم سات تکبیرات پہلی
 مکان یکبیری العیدین رکعت میں اور پانچ تکبیرات
 سبعاً فی الركعة الاولى دوسری رکعت میں رکوع کی

وخمساً فی الاخرة سوی تکبیر کے علاوہ عیدین
 تکبیر فی الركوع (الفتح) میں کہا کرتے تھے۔
 الربانی جزء ۴ ص ۱۴
 صحیح ابوداؤد
 ۲۱۳/۱ للالبانی

اس روایت میں بھی عبداللہ بن لہیعہ ہیں۔ ثقہ
 ہیں۔

(تہذیب) امام مسلم نے بھی ان سے بعض روایات میں اپنی
 صحیحہ میں مقروناً حجت لی ہے۔ لہذا یہ حدیث بھی صحیح
 لغیرہ ہے۔

(۴) ان رسول بے شک رسول اللہ صلی اللہ
 اللہ صلی اللہ علیہ علیہ وسلم سات تکبیرات
 وسلم کان یکبر پہلی رکعت میں قرأت

فی العیدین فی الاولی سے پہلے اور پانچ تکبیرت
 سبعاً قبل القراءة و قرأت سے پہلے دوسری
 فی الاخرة خمساً قبل رکعت میں کہا کرتے
 القراءة (رواہ ابن تھے۔
 ماجہ۔)

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن سعد
 بن عمار بن سعد مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہے۔ ابن معین نے ضعیف اور ابن حبان نے ثقہ
 کہا ہے۔ (تمذیب) لہذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔
 (۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے
 مروی ہے۔

ان رسول اللہ صلی بے شک رسول اللہ صلی اللہ

اللہ علیہ وسلم کان علیہ وسلم عیدین میں
 یکبر فی العید سبع سات تکبیرات پہلی رکعت
 تکبیرات فی الاولیٰ میں اور پانچ تکبیریں
 وخمساً فی الثانیۃ دوسری رکعت میں کہا
 (المطالب العالیۃ کرتے تھے۔

(۱۸۸ /۱)

اس حدیث میں عبداللہ بن عامر الاسلمی ہے۔
 امام البوصیری کہتے ہیں لہ شاهد من حدیث
 سعد القرظ (المطالب العالیۃ)
 یعنی البوصیری کہتے ہیں سعد قرظ والی حدیث
 اس کے لئے شاہد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شواہد کی بنیاد
 پر یہ حدیث حسن ہے۔

(۷) حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں :-

کان رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم
 تخرج له العنزة فی
 العیدین حتی یصلی
 الیہا وکان یکبر ثلاث
 عشرة تکبیرة وکان
 ابوبکر وعمر رحمۃ
 اللہ علیہما یفعلان
 ذلک (رواہ البزار و
 فیہ الحسن بن حماد
 البجلی ولم یضعفہ
 احد ولم یوثقہ وقد
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کے لئے عیدین میں نیزہ
 وغیرہ نکلتا تھا۔ حتی کہ آپ
 اس کی طرف ہو کر نماز
 پڑھتے اور نماز میں
 تیسرہ تکبیرات
 کہا کرتے تھے، ابوبکر
 اور عمر رحمۃ اللہ علیہما
 بھی ایسا ہی کیا کرتے
 تھے۔ یعنی بشمول تکبیر
 تحریمہ۔

ذکرہ المزی للتمیز
دقیقہ رجالة ثقات
مجمع الزوائد ۲/۲۰۴

یہ حدیث بھی حسن لغیرہ ہے۔

ایک حدیث اور ملاحظہ فرمائیے :-

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں :-

قال نبی اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم التکبیر
فی الفطر سبع فی الاولى
وخمسة فی الاخرة
والقراءة بعد هما
کلیتھا (صحیح ابوداؤد
وحدیث حسن)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتے ہیں عید الفطر میں ستا
تکبیریں پہلی رکعت میں
ہوتی ہیں اور پانچ تکبیریں
دوسری رکعت میں ہوتی
ہیں پہلی اور دوسری کے
بعد قرأت ہوتی ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن فروخ کہتے ہیں :-

صلیت خلف عثمان میں نے حضرت عثمان بن
بن عفان رضی اللہ عفان رضی اللہ عنہ کے
عندہ العید فکبر سبعاً پیچھے عید کی نماز پڑھی۔
وخمساً رواہ احمد انہوں نے عید کی نماز
الفتح الربانی جزء ۶ سات اور پانچ تکبیروں
ص ۱۲۳ وسند جید) سے پڑھائی۔

(۹) نافع کہتے ہیں :-

قال عبد اللہ بن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ
عمر التکبیری عنہما کہتے ہیں: (عیدین
العیدین سبع وخمس میں پہلی رکعت میں سات
رواہ ابن ابی شیبہ اور دوسری رکعت میں
وسند حسن ۸۱/۲) پانچ تکبیریں ہیں۔

(۱۰) حضرت عبدالرحمن بن رافع کہتے ہیں :-

ان عمر بن الخطاب	حضرت عمر بن الخطاب
كان يكبر في العيدين	رضي الله عنه عيدين میں
ثنتا عشرة سبعا في	بارہ بکیرات کہتے تھے۔
الاولى وخمسا في	سات بکیریں پہلی (رکعت)
الآخرة (رواه ابن	میں اور پانچ بکیریں
ابی شيبة ۸۰/۲ وسند	دوسری (رکعت) میں۔
حسن لغیره)	

(۱۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

التكبير في العيدين	عیدین میں سات اور پانچ
سبع وخمس، سبع في	تکبیرات ہیں پہلی رکعت
الاولى قبل القراءة و	میں قرأت سے پہلے (مسل)
خمس الآخرة قبل	سات تکبیریں ہیں اور دوسری

القرأة (رواه ابن ابی رکت میں قرأت سے
شبه ۸۱/۲ وسنده پہلے پانچ تکیرات ہیں۔
حسن لغیره)

(۱۲) حضرت ثابت بن قیس کہتے ہیں :-

صلیت خلف عمر میں نے عمر بن عبدالعزیز کے
بن عبدالعزیز الفطری پیچھے عید الفطر کی نماز پڑھی
فکیر فی الاولی سبعا انہوں نے قرأت سے پہلے
قبل القرأة فی الثانیة سات تکیریں پہلی رکعت
خمساً قبل القرأة میں کہیں اور پانچ تکیریں
(حوالہ مذکور) قرأت سے پہلے دوسری رکعت
میں کہیں۔

(۱۳) حضرت عمار بن ابو عمار کہتے ہیں :-

ان ابن عباس کبریٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ

عید ثنتی عشرۃ تکبیرۃ عنہ نے عیدین میں بارہ تکبیریں
 سبعا فی الاولیٰ وخمساً کہیں۔ سات پہلی رکعت
 فی الآخرۃ (حوالہ میں اور پانچ دوسری
 مذکور و سندہ صحیح رکعت میں۔

ونصف الراۃ ۲/۱۵
 وقال هذا اسناد صحیح

(۱۴) عبد العزیز بن عمرؓ اپنے والد سے روایت
 کرتے ہیں۔

انہ کان یکبر فی العید عمر بن عبد العزیز عید میں
 سبعا فی الاولیٰ وخمساً پہلی رکعت میں سات اور
 فی الآخرۃ (حوالہ مذکور دوسری رکعت میں پانچ
 وسندہ صحیح) تکبیریں کہا کرتے تھے۔

(۱۵) نافع کہتے ہیں:-

شہدت العید مع میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
 ابی ہریرۃ یحکب کے ساتھ عید میں حاضر
 فی الاولی سبعا و فی ہوا۔ انہوں نے پہلی رکعت
 الاخرۃ خمساً قبل میں سات اور دوسری
 القراءة (مُصَنَّف رکعت میں پانچ قرأت
 عبدالرزاق ۳/۲۹۲ و سے پہلے تکیس کی ہیں۔
 ابن ابی شیبۃ وسند صحیح)

مندرجہ بالا آثار ان مرفوع صحیح احادیث
 کی تائید میں ہیں جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں اور یہ بھی ہم نے
 مختصراً نقل کئے ہیں۔

عیدین کی نماز چار تکبیروں سے پڑھنے کے سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث نہیں

قارئین کرام کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز چار تکبیروں سے پڑھی ہو یا چار تکبیروں سے پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ اس سلسلہ میں ایک دو اثر ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک ہی اثر ہے اور اس اثر کا مدار بھی عبداللہ بن مسعود پر ہے تو زیادہ قرین قیاس ہوگا۔

اب وہ اثر ملاحظہ فرمائیے:-

قاسم بن عبد الرحمن، ابو عبد الرحمن الدمشقی کہتے ہیں:
حدثني بعض اصحاب محمد بن عبد الرحمن بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب نے
 علیہ وسلم قال صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ
 وسلم یوم عید فکبر اربعاً اربعاً ثم اقبل علینا
 بوجهه حین انصرف فقال لا تنسوا التکبیر
 الجنازة و اشار باصبعه وقبض ابهامه (رواه
 الطحاوی فی شرح الامارۃ ۴/۲ نصب الراية ۲/۲۱۴)
 علیہ وسلم نے ہمیں عید کی نماز چار تکبیروں سے پڑھائی
 پھر جب آپ نے سلام پھیر دیا تو ہماری طرف متوجہ ہوئے
 پھر آپ نے فرمایا: جنازے کی تکبیروں کی طرح (عیدین)
 کی تکبیریں ہوتی ہیں۔ بھول نہ جانا اور آپ نے اپنی انگلیوں
 سے اشارہ کیا اور انگوٹھا بند کر لیا۔

اس روایت کو طحاوی نے حسن کہا ہے۔

یہ روایت کئی طرح محل نظر ہے۔

(۱) ابن حبان کہتے ہیں:-

کان یروی عن اصحاب (قاسم ابو عبد الرحمن) اصحاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
علیہ وسلم المعضلات وسلم سے معضل روایات
(میزان الاعتدال ۳/۳۷۳) بیان کرتا تھا۔

ابن حبان ہی کہتے ہیں:-

کان القاسم ابو عبد الرحمن یروی عن اصحاب رسول
انہ لقی اربعین بدویاً کان
قاسم ابو عبد الرحمن دعوی کرتا
تھا کہ اس نے چالیس بدوی صحابہ
ممن یروی عن اصحاب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وہ اصحاب رسول صلی اللہ
علیہ وسلم سے معضلات بیان
کرتا تھا اور ثقات مقلوبات
بالمقلوبات حتی لیسبق

إلى القلب أنه كان لا تاتھا جی کہ وہ قلب تک پہنچ
 المتعمد لها (میزان) گیا تھا اور وہ یہ کام عمداً کرتا تھا
 (۲) امام ابو حاتم کہتے ہیں:-

روایتہ عن علیّ وابن اس کی روایت علیؓ اور ابن
 مسعود مرسلًا (تہذیب) مسعود سے مرسل ہوتی ہے۔
 (۳) احمد کہتے ہیں:-

قال بعض الناس هذه بعض لوگوں نے کہا ہے جعفر
 المناكير التي يرويها اور بشر بن نمير اور مطرح جب
 عنه جعفر وبشر بن اس سے روایت کرتے ہیں وہ
 نمير ومطرح قال منكر ہوتی ہے۔ احمد کہتے ہیں؛
 احمد ولكن يقولون لیکن لوگوں کا کہنا ہے۔ قاسم
 هذه من قبل القاسم کی حدیث میں جو منکر روایت
 في حديث القاسم من اكبر ہوتی ہے اس میں سے جس

مما یرویہا الثقات یقولون کو ثقہ روایت کرتے ہیں وہ
 من قبل القاسم قاسم کی طرف سے ہوتی ہیں۔
 (تہذیب)

امام احمدؒ کہتے ہیں:-

مادی البلاء من القاسم میں غلط روایت کو قاسم
 (تہذیب) کی طرف سے سمجھنا ہوں۔

(۴) امام ابو زرؒ رحمہ اللہ مشقی کہتے ہیں: میں نے امام
 احمدؒ بن حنبل سے ایک حدیث کا ذکر کیا یعنی: حدثنا
 محمد بن المبارک عن یحییٰ بن حمزہ عن عمرو
 بن رُویم عن القاسم بن عبد الرحمن قال قدم
 علینا سلمان الفارسی دمشقی فانکرہ احمد۔

(تہذیب) ہم سے بیان کیا محمد بن مبارک نے، یحییٰ بن حمزہ
 سے، عمرو بن رُویم سے، قاسم بن عبد الرحمن سے احمدؒ نے

اس حدیث کا انکار کیا۔

الغرض قاسم بن عبدالرحمن معضل روایت بیان کرتا تھا یعنی وسط سند سے دو دوراوی حذف کر دیتا تھا اور مقلوب روایت بیان کرتا تھا یعنی حدیث کے متن کو خلط ملط کر دیتا تھا۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: یہ علیؓ اور ابن مسعودؓ سے مرسل روایت بیان کرتا تھا یا اس کی روایت ان سے مرسل ہوتی ہے۔

مزید برآں قاسم کا یہ کہنا ”حدیثی بعض اصحاب“ سے مراد ابن مسعود، ابو موسیٰ الاشعری اور حذیفہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہ اس مسئلہ میں حضرت ابن مسعود کی تقلید کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چار تکبیروں کو روایت کرنے والے صرف ابن مسعودؓ ہیں

مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیے۔

علقمہ بن قیس اور اسود بن زرید کہتے ہیں:-

کان ابن مسعود جالساً حضرت ابن مسعود بیٹھے ہوئے

وعندہ حدیثہ و ابو تھے اور ان کے پاس حضرت

موسیٰ الاشعری۔ حذیفہ اور حضرت ابو موسیٰ

فسألہا سعید بن الاشعری بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

العاص عن التكبير حضرت سعید بن عاص نے یوم

فی الصلوة یوم الفطر الفطر اور یوم اضحیٰ کی نماز

والاضحیٰ فجعل کی تکبیروں کے بارے میں

ہذا یقول سل ان دونوں سے معلوم کیا۔ وہ

ہذا وہذا یقول کہنے لگے ان سے معلوم کرو اور

سل هذا فقال وہ کہنے لگے ان سے معلوم کرو

لہ حدیثہ سل هذا اور حضرت حذیفہؓ نے کہا تم

عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن مسعود سے معلوم
 فسأله فقال ابن مسعود کرو۔ پھر انہوں نے ان سے
 یکبر أربعاً ثم يقلّ ثم معلوم کیا (تو) ابن مسعود نے
 یکبر فیرکع ثم يقوم کہا وہ چار تکبیریں کہے گا پھر
 فی الثانية فيقلّ ثم قرأت شروع کرے گا، پھر
 یکبر أربعاً بعد القراءة وۃ تکبیر کہے گا پھر رکوع کرے
 (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۹۴) گا۔ پھر وہ دوسری رکعت میں
 قیام کرے گا۔ پھر قرأت کرے
 گا۔ پھر چار تکبیریں قرأت کے
 بعد کہے گا۔

مندرجہ بالا اثر سے معلوم ہوا کہ چار تکبیروں کا مسئلہ
 کسی صحیح مرفوع حدیث سے یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
 سے ثابت نہیں بلکہ ابن مسعود کا قول ہے اور صحیح مرفوع حدیث

کے خلاف ۔

مکحول کہتے ہیں :-

اخبرنی ابو عاتشة	مجھے ابو عاتشہ ابو ہریرہ کے
جليس لابی هريرة	ہم صحبت نے خبر دی کہ سعید
ان سعيد بن العاص	بن عاصؓ نے ابو موسیٰ اور حضرت
سأل ابا موسى وخذ	حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ
كيف كان رسول الله	صلی اللہ علیہ وسلم اُضحیٰ اور فطر
صلی الله عليه وسلم	میں کتنی تکبیریں کہتے تھے حضرت
يكبر في الاضحى والفطر	ابو موسیٰ نے کہا آپ چار
فقال ابو موسى كان	تکبیریں کہتے تھے جس طرح
يكبر اربعاً تكبيرة على	جسائز پر ہوتی ہیں حضرت
الجنائز فقال حذيفة	حذیفہؓ نے کہا کہ ابو موسیٰ نے
صدق فقال ابو موسى	سبح کہا۔ پھر ابو موسیٰ نے

کنت اکبر فی البصر حیث
کنت علیہم (تلخیص ابن
حجر ۲/۸۵)
کما جب میں بصرہ میں ان پر
امیر تھا تو میں چار تکبیریں کتنا
کھا۔

امام بیہقی کہتے ہیں:

خولف راویہ فی موضعین
فی رفعہ فی جواب ابی
موسیٰ والمشہور انہم
اسند وہ الی بن مسعود
فاقتاہم بذلک ولم
یسندہ الی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم
(تلخیص ابن حجر ۲/۸۵ و
رواہ البیہقی ۳/۲۸۹)
راوی نے دو جگہوں پر مخالفت
کی ہے، اسکے مرفوع ہونے میں
اور ابو موسیٰ کے جواب دینے میں
اور مشہور یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ
کو ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیا
ہے۔ پھر ابن مسعودؓ نے ان
لوگوں کو اس سلسلہ میں فتویٰ
دیدیا اور (ابن مسعودؓ) نے
اس مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف مسند نہیں کیا۔
 لہذا امام بیہقی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ چار
 تبکیروں کے سلسلہ میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے
 بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے یا فتویٰ، جیسا کہ
 مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو مرفوعاً تو منکر کہا
 ہے اور موقوفاً صحیح۔ علامہ ابن جوزی نے ”التحقیق“ میں
 اس روایت کو پہلے دلیل بنایا اور پھر عبدالرحمن بن ثوبان
 کی وجہ سے معلول قرار دیا۔ (نصب الراية ۲/۲۱۵) ابن
 معین نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (نصب الراية)

امام احمد کہتے ہیں:

لم یکن بالقوی واحادیثہ (یہ راوی) قوی نہیں ہے اس
 مناکیر قال ولیس یروی ثقی احادیث منکر ہوتی ہیں،

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تکبیر
 العیدین حدیث صحیح امام احمد کہتے ہیں: (چار
 و قَالَ فی التَّنْقِیْحِ حدیث صحیح مروی نہیں
 (نصب الرأیۃ ۲/۲۱۵) ہے۔

یعنی منکر کہنے میں یہ احناف کی گھر کی گواہی ہے۔
 امام احمدؒ نے چار تکبیروں والی روایت کو منکر اور بار تکبیروں
 والی روایات کو صحیح کہا ہے۔ امام احمد کی تصحیح سابقہ
 اوراق میں دیکھئے۔ مزید برآں ”ابو عاتشہ“ کو علامہ ابن حزم
 نے مجہول اور امام ابن القطان نے کہا ہے کہ اس کا حال
 معلوم نہیں۔ (نصب الرأیۃ)

یہ روایت ابو داؤد میں بھی ہے مگر عبد الرحمن بن ثوبان
 موجود ہے۔ مسند احمد ۴/۴۱۶ پر بھی ہے مگر عبد الرحمن بن

ثوبان موجود ہے۔ البیہقی ۳/ ۲۸۹، مگر یہی راوی موجود ہے۔
 رواہ الطحاوی والطبرانی فی الکبیر و مجمع الزوائد و رجالہ ثقات،
 یہ تعریف موقوفاً ہے مرفوعاً نہیں۔ لہذا دھوکا نہ کھائیے۔
 الغرض حضرت ابو موسیٰ الاشعری کا چار بکیروں سے
 عید کی نماز پڑھنے کے سلسلے میں جواب دینا اور حضرت خذیفہ
 بن یمان رضی اللہ عنہما کا حضرت ابو موسیٰ کی تصدیق کرنا اس
 کا مدار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے اور حضرت
 عبداللہ بن مسعود نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جده،
 حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، عن ابیہ عن جده،
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت
 عثمان بن عفانؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت ابوسعید
 خدریؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ
 اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی ہے۔

ایک آدمی غلطی کر سکتا ہے اتنے لوگ غلطی نہیں کر سکتے اور
 ویسے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حافظہ میں
 بھول واقع ہو گئی تھی جس کی وجہ سے یہ مسئلہ اور بھی بے حقیقت
 ہو جاتا ہے بہر حال بارہ تکبیرات سے نماز عیدین پڑھنا صحیح ہے
 اور چار تکبیرات سے نماز عیدین پڑھنا غلط ہے۔ غیر مسنون ہے۔
اعتراف | ”اللّٰهُمَّ اعْنِ عَلٰی ذِكْرِكَ وَ
 شُكْرِكَ وَحَسَنَ عِبَادَتِكَ“
 جناب یہ دعا کیسی ہے، کیا قابلِ عمل ہے؟ اگر ہے تو
 جماعتِ مسلمین کی کتابوں میں یہ دعا نہیں ہے کیوں؟
 حدیث کس طرح ہے۔

جواب | مندرجہ بالا دعا صحیح ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ
 دعواتِ المسلمین میں شامل کر دیں گے۔

حدیث درج ذیل ہے :-

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

عن النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم قال لہ
 یا معاذ انی واللہ لا
 حبک فلا تدع دبر
 کل صلاۃ ان تقول
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن
 جبل سے کہا، اے معاذ اللہ کی
 قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں
 (تو تم ہر نماز کے خاتمہ پر اس
 دُعا کو پڑھا کرو۔

(اخرہ ابوداؤد والنسائی

وصحہ ابن حبان والحاکم

فتح الباری ۱۱/۱۳۳)

اعترض ۳ | عیدین کا خطبہ سُننا ضروری نہیں
 ابوداؤد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ ہم خطبہ

سُنیں یا نہ سُنیں۔ اس حدیث کو البانی صاحب نے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے صحیح ابوداؤد۔ مگر مسعود احمد صاحب نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ضعف ثابت نہیں کیا۔ برائے کم حدیث اور ضعف بتائیے۔

حدیث درج ذیل ہے :
جواب | حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

شہدت مع رسول	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اللہ صلی اللہ علیہ	وسلم کے ساتھ عید (کی نماز
وسلم العید فلما	میں) حاضر ہوا۔ پھر جب
قضى الصلوة قال	آپ نے نماز پوری کر لی۔ آپ
انا نخطب فمن احب	نے فرمایا ہم (اب) خطبہ
ان يذهب فليذهب	دینگے جو شخص خطبہ سنا پسند

کرے وہ بیٹھ جائے اور جو شخص
 جانا پسند کرے وہ چلا جائے
 اس حدیث کو ابو داؤد نے ۳۰/۳ پر، نسائی نے
 ۱۸۵/۳ پر، ابن ماجہ نے ۴۱/۲ پر، بیہقی نے ۳۰۱/۳ پر
 الفتح الربانی جزء ۶ ص ۱۵۴ پر، نصب الرایہ نے ۲۲۱/۲ پر
 نقل کیا ہے۔

امام ابو داؤد کہتے ہیں: ہذا مرسل عن عطأ
 عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابو داؤد) یعنی عطأ
 نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں:
 ہذا خطأ والصواب مرسل (نصب الرایہ) یعنی
 (مرفوع تو) غلط ہے اور مرسل ٹھیک ہے۔ امام بیہقی کہتے
 ہیں: غلط الفضل بن موسیٰ فی اسنادہ وانما
 هو عن عطأ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مرسل (نصب الرایہ) اس سند میں فضل بن موسیٰ ہے۔
 مرفوع تو غلط ہے اور مرسل صحیح ہے۔
 امام بیہقی مزید وضاحت کرتے ہیں:-

قال الشيخ رحمه الله (أخبرنا) بصحة
 قاله يحيى أبو القاسم زيد بن جعفر بن محمد العلوي
 وأبو القاسم عبد الواحد بن محمد البخاري المقرئ بالكوفة
 قال ثنا محمد بن علي بن دحيم ثنا إبراهيم بن إسحاق
 ثنا قبيصة عن سفيان عن ابن جريج عن عطاء
 قال صلى النبي صلى الله عليه وسلم بالناس لعيد ثم قال
 من شاء ان يذهب فليذهب ومن شاء ان يقعد
 فليقعد (رواه البيهقي ۳۱/۲)

لہذا یہ روایت مرسل ہے۔ ناقابل احتجاج ہے۔
 جناب مسعود احمد صاحب نے اس روایت کو مرسل ہونے کی وجہ

سے چھوڑ دیا۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ | ”اگر کوئی یہ کہے کہ عطا

نے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے“ اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام بیہقی نے اس روایت کی موجودگی میں ہی تو مرفوع کو غلط اور مرسل کو صحیح کہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی خفیہ علت ہے۔ ہماری ناقص رائے میں وہ خفیہ علت یہ ہو سکتی ہے کہ صحیحین کے خلاف ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

خرج النبی صلی اللہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے
علیہ وسلم کا اُنی انظر	گویا کہ میں آپ کی طرف
الیہ حین یجلس بیدہ	دیکھ رہا ہوں، جس وقت
فی روایۃ مسلم یجلس	آپ لوگوں کو اپنے ہاتھ سے

الرجال بیدہ (فتح الباری) بٹھا رہے تھے، یعنی نماز کے
 شرح صحیح بخاری ۲/۴۷۷) بعد لوگوں کو خطبہ کے لئے
 روک رہے ہیں۔

اعترض ۴ | جماعت المسلمین کے لوگ وضو کرنے کے
 بعد ایک چلو پانی لیکر رومالی پر ڈالتے
 ہیں اور کہتے ہیں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا
 ہے۔ کیا واقعی یہ چیز حدیث میں وارد ہے؟

جواب | جماعت المسلمین جو کام بھی کرتی ہے وہ قرآن
 مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق کرتی ہے۔
 جماعت المسلمین کا یہ فعل احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔
 ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

(۱) عن النبی صلی اللہ حضرت جبریل علیہ السلام

علیہ وسلم ان جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
 اتاہ فی اول ما اوحی اس وحی میں جو سب سے
 الیہ، فعلمہ الوضوء پہلے آپ کی طرف کی گئی آئے۔
 والصلوة فلما فرغ آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام
 من الوضوء اخذ غرقة نے وضوء اور نماز کی تعلیم دی۔
 من الماء فنضح بها پھر جب آپ وضوء سے فارغ
 فرجه (رواہ احمد والدارقطنی ہوئے (تو) ایک چلو پانی لیا۔
 وابن ماجة وسندہ حسن مابعد) پھر اس چلو کو اپنی رومالی چھڑک لیا۔
 (۲) ایک اور روایت میں اس طرح الفاظ آئے ہیں :-

قال رسول الله صلى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 الله عليه وسلم علمني نے فرمایا، مجھے جبرائیل علیہ
 جبرائیل الوضوء وامرني السلام نے وضوء سکھایا اور
 ان الفاضح تحت ثوبي مجھے حکم دیا کہ میں اپنے کپڑے

لما يخرج من البول کے نیچے وضو کرنے کے بعد
 بعد الوضوء (رواہ، ایک چلو پانی چھڑک لوں۔ اس
 ابن ماجہ وندہ حسن لغیرہ وجہ سے کہ کوئی پیشاب کا قطرہ
 ماقبلہ) نہ نکل گیا ہو۔

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

توضاً رسول اللہ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 اللہ علیہ وسلم فنضح وضو فرمایا پھر اپنی رومالی پر
 فرجہ (رواہ ابن ماجہ وندہ حسن لغیرہ) پانی چھڑک لیا۔

(۴) حضرت حکیم بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

انہ راى رسول اللہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے
 توضاً ثم اخذ کفا من دیکھا۔ پھر اپنے پانی کا ایک

ماءٍ فتضح به فرجه چلو لیا پھر اس پانی کو رو مالی
درواہ ابن ماجہ وسندہ حسن پر چھڑک لیا۔

(ولہ شواہد)

حضرت حکیم بن سفیان سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں :-
کان رسول اللہ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ علیہ وسلم اذا جب پیشاب کرتے (تو)
بال يتوضأ وينتضح وضوء کر لیا کرتے تھے اور
(صحیح ابوداؤد للالبانی (رو مالی پر) پانی چھڑک لیا
کرتے تھے۔ (۳۴/۱)

(۵) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
مروی ہے :-

عن النبی صلی اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
علیہ وسلم ان جبریل روایت کرتے ہیں کہ حضرت

علیہ السلام لَمَّا نَزَلَ
 عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ
 عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُ
 الْوُضُوءَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ
 وَضُوئِهِ اخَذَ حَفْنَةً
 مِنْ مَاءٍ فَرَشَّ بِهَا
 مَخْوَالَ فَرْجِ قَالِ
 فَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ
 عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرِثُ
 بَعْدَ وَضُوئِهِ (رواہ
 احمد والفتح الربانی جزء ۲
 ص ۵۳) وفیہ رشد بن سعد
 ثقہ احمد بن حنبل وھشتم بن
 جبریل علیہ السلام جب نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
 تشریف لائے تو حضرت
 جبریل علیہ السلام نے آپ
 کو وضوء سکھایا۔ پھر جب
 آپ اپنے وضوء سے فارغ
 ہوئے (تو) ایک مچلو پانی
 لیا۔ پھر پانی کو رومالی پر
 چھڑک لیا۔ حضرت اسامہؓ
 کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ
 وسلم وضوء کے بعد اسی طرح
 (رومالی) پر پانی چھڑک
 لیا کرتے تھے۔

خارجہ وابن شاہین و متفقہ

اخریون و سند حسن و دل

شواہد کثیرہ، تہذیب التہذیب

(۲۷۸/۲)

الغرض وضوء کے بعد ایک چلو پانی رومالی پر

ڈال لینا سنت ہے۔

اعترض | جو شخص شرم گاہ کو ہاتھ لگائے اس کو چاہیے کہ وہ وضوء کرے۔ دوسری جگہ

کہا وہ تمہارے جسم کا ایک حصہ ہے۔ جماعتِ مسلمین والوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ بغیر قیاس کے؟

جواب | ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا شرم گاہ چھونے کے بارے میں سوال

کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

هل هو الا بضعة اس صورت میں تمہارے
 منك (رواه احمد و صحابہ جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔
 السنن والدارقطني وصححه
 عمرو بن علي الفلاس - وصححه
 ايضاً ابن حبان والطبراني
 وابن حزم تلخيص ابن حجر
 جزء ۱ ص ۱۲۵)

دوسری حدیث :-

من مس فرجه جو شخص اپنی شرم گاہ کو چھوئے
 فليتوضأ (اخرجه الطبراني اس کو چاہیے کہ وہ وضو
 وصححه تلخيص ابن حجر ج ۱ ص ۱۲۵)

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہوا کہ جب آدمی

نماز پڑھتا ہے تو ہر حال میں شرم گاہ پر کپڑا ہوتا ہے۔
 اس صورت میں اگر ہاتھ لگ جاتا ہے تو وہ جسم کا
 ہی ایک حصہ ہے۔ یہ مطلب پہلی حدیث کا ہے۔ جو
 شخص اپنی شرم گاہ کو اس حالت میں چھوئے کہ جسم
 پر یا شرم گاہ پر کپڑا نہیں ہے تو وضو ٹوٹ جائے
 گا، یہ دوسری حدیث کا مطلب ہے۔

لیکن ان دونوں حدیثوں کے شک کو دور
 کرنے کے لئے درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے جو
 بالکل صاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اذا افضى احدكم جب تم میں سے کوئی اپنے
 بیدہ الی فرجہ لیس ہاتھ کو اپنی شرم گاہ کی طرف
 دونہا حجاب ولا لے جائے۔

سترٌ فقد وجب کہ شرم گاہ پر نہ کوئی اتار ہو
 علیہ الوضوء درواہ اور نہ کپڑا تو یقیناً اس پر
 ابن حبان فی صحیحہ۔ ہذا وضوء فرض ہو گیا۔

حدیث صحیح سندہ... صحیحہ

الحاکم من ہذا الوجه وابن

عبدالبر، تلخیص ابن حجر

جزء ۱ ص ۱۲۶)

قارئین کرام جماعت المسلمین نے بغیر قیاس
 کے جواب دیدیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس
 کا احسان ہے۔

اعتراض | سنا ہے جماعت المسلمین ضعیف
 حدیث پر عمل نہیں کرتی۔ لیکن مسعود
 احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں انار

لٹکنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

مغرب کی اذان سنکر جو دُعا پڑھی جاتی ہے وہ بھی ضعیف ہے البانی صاحب نے اس کو بھی ضعیف کہا ہے۔ جماعت المسلمین اور اُن کا امیر ان پر عمل پیرا ہیں :-

جواب | حدیث ”اسبال فی الصلوٰۃ“ جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے یعنی وضوء کے بعد اگر نمازی کا ازار ٹخنے سے نیچے آجائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے نماز نہیں ہوتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے ۱۷۲/۱، اور ۵۷/۴ پر روایت کیا ہے۔ امام احمد نے ۵/۳۷۹ اور ۶۷/۴ پر روایت کیا ہے۔

پر روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو ۴۸۸/۵
نسائی فی الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے ”ابو جعفر“
یہ ابو جعفر انصاری مؤذن ہے۔ ابن حجر نے اس کو مقبول کہا ہے۔
(تقریب)

یہ ابو جعفر الباقر نہیں ہے کیونکہ یحییٰ ابن ابی کثیر
ابو جعفر الباقر سے روایت نہیں کرتے۔ یحییٰ ابن ابی کثیر
ابو جعفر انصاری مؤذن، المدنی سے روایت کرتے ہیں۔
(تمذیب التہذیب والکاشف)

کسی امام کا یہ کہنا بھی ہے کہ ابو جعفر انصاری کا صحیح
نام کاپتہ نہیں چلتا۔ وضاحت ملاحظہ فرمائیے:-
ابن حبان نے کہا ہے ابو جعفر کا نام محمد بن علی بن الحسین
ہے ”ابن حجر کہتے ہیں:- یہ بات ابن حبان کی صحیح

نہیں۔ لان محمد بن علی لم یکن مؤدنا ولا
 اباجعفر هذا قد صرح بسماعہ من ابی ہریرہ
 فی عدۃ احادیث واما محمد بن علی بن الحسین
 فلم یدرک اباہریرہ (تہذیب) یعنی محمد بن علی
 بن الحسین مؤذن نہیں ہے یہ ابو جعفر مؤذن ہے اس
 نے متعدد احادیث میں ابو ہریرہؓ سے سُننا ثابت کیا
 ہے اور ہامد بن علی بن الحسین (تو) اس نے ابو ہریرہؓ
 کو نہیں پایا۔ پھر ابن حبان نے ابو جعفر المؤذن کا صحیح
 نام (تلخیص ابن حجر ۱/ ۱۹۶) میں بتایا ہے۔ فقال ابن
 حبان اسئلہ "محمد بن مسلم بن مہران"
 یعنی ابن حبان کہتے ہیں: اس کا نام محمد بن مسلم بن
 مہران ہے۔ ابن حجر نے اس کو قبول کیا ہے جس کی
 بنیاد پر ابو جعفر کو تقریب میں مقبول کہا ہے، مزید برآں

ابو جعفر الموزنؑ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور ابن عمرؓ سے۔ ابو جعفر سے روایت کرنے والے یحییٰ ابن ابی کثیر اور مسلم ابوالمثنیٰ ہیں۔ لہذا ابن القطان کا مجہول کہنا بھی صحیح نہیں (تہذیب الجرج والتعذیل)

ابن حجر کہتے ہیں: کبھی ابو جعفر عن عطاء بن

یسار عن ابی ہریرہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ ابو جعفر الموزن ہی ہے۔ (تہذیب)

پھر اس حدیث کو علامہ بیہقی نے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:-

عزاه صاحب الاطراف صاحب اطراف نے نسائی

الی النسائی ولم اجد کی طرف (اس حدیث کو)

فی نسختی فعلہ فی منسوب کیا ہے اور میں نے

الکبریٰ رواہ احمد اپنے نسخہ میں (یہ چیز) نہیں

ورجالہ رجال الصبیح دیکھی، ہو سکتا ہے کہ نسائی بکری
(مجمع الزوائد ۵/۱۲۵) میں ہو۔ اس حدیث کو احمد
نے روایت کیا ہے (ادرا احمد)
کے رجال صحیح ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:-
انہ رای اعرابیا یصلی انہوں نے ایک دیہاتی کو
قد اسبل ازارہ فقال دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے
المسبل ازارہ فی الصلوۃ اور اس نے اپنا ازار اپنے
لیس من اللہ فی حل (ٹخنے سے) نیچے لٹکایا ہوا ہے۔
ولا حرام (رواہ الطبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود نے
۲۷۴۰۲۷۳/۹ درجہ انتقا کہا: نماز میں اپنے ازار کو
و مجمع الزوائد ۵/۱۲۲ ومنہ لٹکانے والا اللہ کی طرف سے
صحیح) نہ حلال میں ہے اور نہ حرام میں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ اس کو حلال کا اختیار ہے اور نہ حرام کا وہ ایسا کس بنیاد پر کہ رہا ہے۔

درج ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیے :-

ابراہیم نخعی کہتے ہیں :-

بینا ابن مسعود جالس اس حال میں کہ ابن مسعود
مع اصحابہ فی المسجد اپنے ساتھیوں کے ساتھ
اذ دخل رجلان فقاما مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے
خلف سارتین فصلى کہ دو آدمی داخل ہوئے
احدهما قد اسبل زارۃ وہ دونوں کھڑے ہوئے و
والاخر لا یتم رکوعہ ستونوں کے پیچھے۔ ان دونوں
ولا سجودہ فجعل ابن میں سے ایک اس حال
مسعود ينظر اليها میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس

فقال جلساؤه لقد شغلك هذان عتّا
 قال اجل اما هذا
 فلا ينظر الله اليه
 يعنى المسبل ازاره
 واما هذا فلا يقبل
 الله منه يعنى الذى
 لا يتم ركوعه ولا
 سجوده (رواه الطبراني
 فى الكبير ۹/۲۷۷ وسنده
 لا بأس به)

نے اپنا ازار لٹکایا ہوا تھا
 اور دوسرا اس حال میں نماز
 پڑھ رہا تھا کہ وہ رکوع پورے
 کر رہا تھا اور نہ سجود۔ ابن
 مسعود ان دونوں کی طرف
 دیکھنے لگے۔ ان کے اصحاب
 نے کہا: ان دونوں آدمیوں
 نے آپ کو ہم سے مشغول کر دیا۔
 حضرت ابن مسعود نے کہا: ہاں
 ایسا ہی ہے۔ یہ شخص جو ازار
 لٹکا کر نماز پڑھ رہا ہے اللہ
 تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں
 فرمائے گا اور یہ شخص جو رکوع

پورے کر رہا ہے اور نہ سُجود،
 اس کی بھی نماز قبول نہیں کیگا
 یہ موقوف حدیث بھی حدیث ابوہریرہ کے لئے
 قوت کا باعث ہے۔ لہذا حدیث صحیح ہے۔

حدیث (۲) مغرب کی اذان سن کر جو دعاء
 پڑھی جاتی ہے وہ صحیح ہے۔ البانی صاحب نے ”الوکثیر“
 کو مجہول سمجھتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔
 مگر امام حاکم نے مستدرک میں اس دعاء کو صحیح کہا ہے۔
 صحیح الحاکم ووافقہ الذہبی (۱/۱۹۹) بعد ازاں حافظ
 ابن حجر نے (تلمیخ میں جزء ۱ ص ۲۱) پر اس دعاء کو
 نقل کیا ہے اور پھر امام حاکم کی تصحیح نقل کی ہے یعنی
 اس دعاء کی تصحیح کو ٹھیک مانا ہے۔ اگر یہ حدیث
 ضعیف ہوتی تو ابن حجر خاموش نہ رہتے۔ ابن حجر

کی خاموشی حدیث کی صحت پر مہر ثبت ہے۔ مزید اس
کی متابعت کے لئے (رواہ الترمذی ۵/۵۳۶) (رواہ
الطبرانی ۲۳/۳۰۳) (رواہ ابوداؤد ۱/۱۴۶) (رواہ ابویعلیٰ
۱۲/۳۲۴) پر بھی دیکھئے۔

اعتراف | جو شخص نماز بھول جائے وہ تشہد پڑھ کر
سلام پھیرے یا سب کچھ پڑھ کر سلام
پھیکے، کیونکہ یوسف لدھیانوی صاحب کی کتاب
”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ پر بھی انہوں نے
اس مسئلہ کو مدلل بیان کیا ہے۔ لیکن صلوٰۃ المسلمین
اس مسئلے میں خاموش ہے؟ اگر حدیث صحیح ہے تو
آپ حضرت عمل کیوں نہیں کرتے؟

جواب | اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو احادیث مروی
ہیں وہ حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت

عبداللہ بن مسعود اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے جو احادیث مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حضرت عمران بن حصینؓ والی حدیث حسن ہے مگر ”تشہد“ کے الفاظ شاذ ہیں۔ وضاحت درج ذیل ہے۔
 (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:-

عن النبی صلی اللہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
علیہ وسلم قال اذا	ہیں:- جب تم نماز میں ہو
کنت فی الصلوۃ	تین اور چار میں تمہیں شک
فشککت فی ثلاث	ہو (تو) اپنے خیال کو چار پر
واربع واكثر ظنک	مضبوط کرو۔ تشہد پڑھو
على اربع تشهدت	اور تم دو سجدے کرو اس

ثم سجدة، سجدتین حال میں کہ تم بیٹھے ہو اس
وانت جالس قبلہ سے قبل کہ تم سلام پھیر دو۔
ان تسلم ثم تشهدت پھر تم تشهد پڑھو اسی طرح۔
ایضاً ثم سلمت پھر سلام پھیر دو۔

(رواہ احمد محمد شاہ جز ۴)

ص ۶ اسنادہ ضعیف)

یہ روایت منقطع، ضعیف ہے۔ اس حدیث
کی سند میں ایک راوی عامر بن عبداللہ بن مسعودؓ،
ابو عبیدہ ہے اس نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
سے کچھ نہیں سنا

امام شعبہ کہتے ہیں :-

سألت أبا عبیدة هل میں نے ابو عبیدہ سے معلوم
تذکر من عبد اللہ کیا، کیا تمہیں عبد اللہ سے
شیئاً قال لا (تہذیب) کچھ یاد ہے؟ کہا نہیں۔

امام ترمذی کہتے ہیں :-

لَا يَعْرِفُ اسْمَهُ وَلَمْ يَسْمَعْ اس کا نام معلوم نہیں اور
مِنْ ابْنِهِ شَيْئًا (تہذیب) اس نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔

امام ابن حبان کہتے ہیں :

قَالَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اس نے اپنے باپ
ابْنِهِ شَيْئًا (تہذیب) سے کچھ نہیں سنا۔

امام عبدالرحمن بن ابی حاتم اور دوسرے ائمہ نے یہی
بات کہی ہے کہ ابو عبیدہ نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا (تہذیب)
امام ابوداؤد کہتے ہیں :-

وَرَوَاهُ عَبْدُ الْوَاحِدِ عَنْ خَصِيفٍ عَبْدُ الْوَاحِدِ نے خَصِيف سے اس
وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَوَافَقَ عَبْدُ الْوَاحِدِ کو روایت کیا ہے اور اس کو
اَيْضًا سَفِيَّانُ وَشَرِيكٌ وَ مَرْفُوعٌ نہیں کہا، اسی طرح
اسرائیل وَاخْتَلَفُوا فِي الْكَلَامِ فِي سَفِيَّانُ، شَرِيكٌ اسرائیل نے

متن الحديث ولم عبد الواحد کی موافقت کی ہے
 یسند وۃ (التعلیقات اور حدیث کے متن میں انہوں
 احمد محمد شاکر علی احمد نے اختلاف کیا ہے اور اس
 جزء ۶ ص ۷۷) کو مستند نہیں کیا۔

لہذا معلول ہے۔ بعد ازاں اس حدیث کو علقمہ
 اور اسود نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے
 جو صحیحین میں ہے یہ دونوں ”تشہد“ کے الفاظ روایت
 نہیں کرتے اور جب ابو عبیدہ عبداللہ سے روایت کرتے
 ہیں تو تشہد کا ذکر کرتے ہیں اس طرح ابو عبیدہ نے علقمہ
 اور اسود جو دونوں بہت بڑے امام ہیں مخالفت کی ہے۔
 یہ چیز بھی اس حدیث کو مزید ضعیف بناتی ہے۔
 امام بیہقی کہتے ہیں :-

وهذا غير قوي و یہ حدیث صحیح نہیں ہے

مختلف فی دفعہ اس کے مرفوع ہونے اور
 مستند درواہ البیہقی متن کے صحیح ہونے میں
 ۳۵۶/۲، ورواہ البوداؤد اختلاف ہے۔

(۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم تشہد
 بعد ان رفع رأسہ
 من سجد فی التثہد
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 بھول کے دو سجدوں
 سے سر اٹھا کر تشہد پڑھا۔
 (درواہ البیہقی ۲/۲۵۵)

یہ حدیث ضعیف ہے۔ محمد بن عبد الرحمن ابن
 ابی لیلی صدوق سنی الحفظ جداً (تقریب) یعنی سچے ہیں
 بہت زیادہ حافظہ خراب ہے اسی وجہ سے دوسرے
 ائمہ نے ضعیف، مضطرب الحدیث، فاحش الخطاء

ردی الحفظ اکثر الوهم ليس بالقوى کہا ہے، دیکھئے
(تہذیب)

ابن حجرؒ کہتے ہیں :-

لكن ورد في التَّشْهَد بھول کے دو سجودوں میں
فی سجود السہو عن تشہد پڑھنے کو البوداؤد اور
ابن مسعود عند نسائی نے ابن مسعود سے
ابی داؤد والنسائی نکالا ہے اور امام بیہقی
وعن المغيرة نے مغیرہ (بن شعبہ) سے
عند البیہقی وفی لیکن دونوں حدیثوں میں
اسنادھا ضعف ضعف ہے۔
(فتح الباری)

الغرض یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

(۳) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے:-

ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم صلی بہم
فسہا فسجد سجدین
ثم تشهد ثم سلم
در رواہ ابوداؤد ۱/۲۷۳ و
الترمذی ۲/۲۴۱ (۲۴۱)
سلام پھیر دیا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور امام حاکم نے
صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث معترضین کی بہت بڑی دلیل
ہے۔ وضاحت ملاحظہ فرمائیے:

مندرجہ بالا حدیث کی سند میں ایک راوی شعث
بن عبد الملک ہے جس نے ”تشہد“ کے الفاظ روایت
کے بڑے بڑے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے اور

تشہد کا ذکر کر کے تفرد کیا ہے۔ جس کی بنیاد پر مندرجہ بالا حدیث قابل احتجاج نہیں۔ اشعث نے جن ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے وہ درج ذیل ہیں :-
(۱) امام شعبہ -

(۲) وہیب بن خالد بن عجلان -

(۳) ابن علیہ ہو اسمعیل بن ابراہیم بن مقسم -

(۴) الثقفی و هو عبد الوہاب بن عبد المجید -

(۵) ہیشم و هو ابن بشیر بن القاسم بن دنیا السلمی -

(۶) حماد بن زید -

(۷) مزید بن زریح -

مندرجہ بالا تمام راوی خالد الحذاء سے روایت کرتے

ہیں مگر کسی نے بھی بھول کے دو سجدوں میں تشہد

کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اشعث محمد بن سہرین سے تشہد

کا ذکر کرتے ہیں۔ اس چیز کو اشعث کی غلطی پر محمول کیا جائیگا
 کیونکہ سات ثقہ راوی غلطی نہیں کر سکتے ایک راوی غلطی
 کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے امام بیہقی، ابن عبد البر اور دوسرے
 ائمہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے
 (فتح الباری ۳/۹۹ و رواہ البیہقی ۲/۳۵۵)

ابن حجر کہتے ہیں: اشعث نے محمد بن سیرین
 سے تشہد کا ذکر کر کے حفاظ کی مخالفت کی ہے۔
 فان المحفوظ عن ابن سیرین فی حدیث عمران لیس
 فیہ ذکر التشہد (فتح الباری) یعنی ابن سیرین کی وہ
 روایت جو عمرانؓ سے مروی ہے جس میں تشہد کا ذکر
 نہیں ہے محفوظ ہے۔

سراج نے سلمہ بن علقمہ سے اسی حدیث کو روایت
 کیا ہے (سلمہ بن علقمہ) کہتے ہیں: قلت لابن سیرین

فالتشهد قال لم اسمع في التشهد شيئاً
 (فتح الباری) یعنی میں نے ابن سرین سے کہا کیا
 (سہو میں) تشهد ہے؟ ابن سرین نے کہا تشهد کے
 بارے میں میں نے کچھ نہیں سنا۔ لہذا محمد بن سرین
 کا سہو کے سجدوں میں تشهد کا نہ سنانے سے اس مسئلہ
 کی عمارت دھڑام سے نیچے آن پڑی۔ پھر حضرت عمران
 بن حصین والی حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اس
 کو کیوں نظر انداز کیا گیا اس لئے کہ اس میں تشهد کا ذکر
 نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

سَلَامٌ رَّسُولَ اللَّهِ	رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نَے عصر کی تین رکعت پر
فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ	سَلَامٌ پھیر دیا۔ پھر آپ کھڑے

من العصر ثم قام
 فدخل الحجرة فقام
 رجل بسيط الدين
 فقال اقصر الصلاة
 يا رسول الله فخرج
 مغضباً فصل الركعة
 التي كان ترك ثم
 سلم ثم سجد سجد
 في السهو ثم سلم
 (صحیح مسلم ۱/۲۰۵)

ہوئے اور حجرہ میں داخل
 ہو گئے۔ پھر ایک لمبے ہاتھ والے
 شخص کھڑے ہوئے انہوں
 نے کہا اے اللہ کے رسول
 کیا نماز کم ہو گئی ہے؟ پھر
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم غصہ کی حالت میں باہر
 تشریف لائے۔ پھر اپنے
 وہ رکعت جو رہ گئی تھی پڑھائی۔
 پھر آپ نے سلام پھیر دیا۔
 پھر بھول کے دو سجدے کئے۔

پھر سلام پھیر دیا۔

صحیح مسلم کی حدیث محفوظ ہے جس میں تشہد

نہیں ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں :-

فصارت زیادة شاذة (فتح الباری ۲/۹۹) یعنی (بھول
کے سجدوں میں تشہد کی) زیادتی شاذ ہے۔ یعنی ضعیف ہے۔
لہذا یہ حدیث حسن نہیں ہے۔ صلوٰۃ المسالین
میں اس مسئلہ کو جبکہ اس لئے نہیں دی گئی کہ اس مسئلہ
کو پھر کسی موقع پر بیان کر نیکا خیال تھا۔ مزید برآں یہ مسئلہ
کس قدر مدلل ہے یہ آپ نے دیکھ ہی لیا۔ یوسف
لدھیانوی صاحب نے عوام کو اس مسئلہ کا ایک رُخ دکھایا
اور دوسرا رُخ حذف کر گئے کیونکہ وہ رُخ ان کے مذہب
کے خلاف ہے۔ وہ رُخ ہم نے عوام کو دکھا دیا ہے بغرض
دھوکا نہ کھائیے۔

اعترض | جناب یوسف لدھیانوی صاحب فرماتے
ہیں :-

یہاں چند امور قابل ذکر ہیں:

اول: نماز جنازہ کو نماز کتنا مجاز ہے۔ کیونکہ ہمیں نماز کی شرائط سرعورہ اور استقبال قبلہ وغیرہ کو ضرور قرار دیا گیا ہے، ورنہ اپنی اصل کے اعتبار سے نماز نہیں بلکہ ایک مخصوص طریقہ سے میت کے لئے دُعا و استغفار ہے حافظ ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں:-

ومقصود الصلوة على	نماز جنازہ سے مقصود میت
الجنازة هو الدعاء	کے لئے دُعا کرنا ہے۔ اور
للميت۔ وكذلك	اسی طرح آنحضرت صلی اللہ
حفظ عن النبي صلى	علیہ وسلم سے جنازہ کی دعائیں
الله عليه وسلم	اس کثرت کے ساتھ نقل کی گئیں
ونقل عنه ما لم	ہیں کہ فاتحہ یا درود شریف
ينقل من قراءة	کا پڑھنا اس طرح نقل

الفاتحة والصلوة عليه نہیں کیا گیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم

(اختلاف امت اور صراط

المستقیم ص ۱۶ جز ۲)

جواب | (۱) نماز جنازہ کو نماز مجازاً کہا گیا ہو یا
حقیقتاً مگر ہے نماز کیونکہ رسول اللہ صلی

علیہ وسلم نے نماز جنازہ کو نماز ہی کہا ہے۔

وقال لنبی صلی اللہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے

علیہ وسلم من صلی فرمایا: جس نے نماز

علی الجنائزۃ (صحیح جنازہ پڑھی۔

بخاری)

وقال صلوا علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

صاحبکم (صحیح بخاری) اپنے ساتھی کی نماز (جنازہ) پڑھو۔

اس میں رکوع ہوتے ہیں نہ سجود لیکن پھر بھی آپؐ
 نے نماز جنازہ کو نماز کا نام دیا ہے۔ اب کسی کی کیا مجال
 ہے کہ وہ قیاس کر کے یا مجازاً کہہ کر نماز جنازہ کا دعاء
 کہہ کر انکار کر دے۔ علاوہ ازیں یوسف صاحب کا مطلب
 یہ ہے کہ جب نماز جنازہ حقیقتاً نماز نہیں ہے تو سورۃ فاتحہ
 کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا یہ بتائیے:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں
 سورۃ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں، اگر پڑھی ہے تو ضروری
 ہے اور اگر نہیں پڑھی ہے تو ضروری بھی نہیں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم
 دیا ہے۔ اس حدیث کو اُمّ شریک، اسماء بنت زید اور
 حضرت اُمّ عقیف رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں جو لگے
 آ رہے ہیں۔

حافظ ابن قیم کا مطلب یہ ہے کہ جس کثرت سے
 نماز جنازہ کی دعائیں مروی ہیں اس کثرت سے سورہ
 فاتحہ اور دُرود شریف کی بھی روایات کثرت سے مروی
 ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ مزید برآں حافظ ابن قیم نے
 نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا انکار نہیں کیا اور جب انہوں نے
 انکار نہیں کیا تو ان کے قول کو پیش کرنے سے کیا
 فائدہ۔ جناب یوسف صاحب سئلہ کی پیروی
 کے لئے اگر ایک بھی حدیث صحیح مل جائے تو اس
 پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے اور یہ اصول حنفیہ کے
 نزدیک بھی مسلم ہے۔

اعتراف دوم: چونکہ نماز جنازہ اپنی اصل کے
 اعتبار سے دعاء ہے اور دعاء کے
 آداب میں سے ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد

ثناء کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے اس لئے نماز جنازہ میں بھی یہی ترتیب رکھی گئی ہے کہ (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ص ۱۶ جز ۲)

جواب (۲) یوسف لدھیانوی صاحب نے جو ترتیب دعائے سلسلہ میں تحریر کی ہے وہ نماز کے علاوہ ہے۔ اس ترتیب کو نماز کے اندر شامل کر دینا کس حد تک صحیح ہوگا؟ پھر نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا جس حدیث میں ہے اسی حدیث میں درود شریف پڑھنا بھی ہے۔ یوسف صاحب حدیث کے بعض حصّہ کو تسلیم کر رہے ہیں اور حدیث کے بعض حصّے کا انکار کر رہے ہیں، افسوس مذہب پرستی کیا کیا جیلے سکھاتی ہے اور کیسے

کیسے بہانے سکھاتی ہے۔

اب وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے جس میں سورہ فاتحہ اور درود مروی ہے۔ حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی نے خبر دی ہے۔

ان السنة في الصلوة على الجنان ان يكبر الامام ثم يقرأ الفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الاولى ثم يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم۔ درود شریف۔

بے شک نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام التذکرہ کہتا ہے۔ پھر پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھتا ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف۔

فی کتاب الام ۱/۲۷۰ و رواہ

الحاکم فی مستدرکہ ۱/۳۶۰

صحیح ہو و واقفہ الذہبی

لہذا یوسف لدھیانوی صاحب کی یہ عادت مسعودی
عثمانی سے جا ملی کیونکہ انہوں نے بھی اپنے عقیدہ کی حمایت
میں حدیث کے بعض حصہ کا انکار کیا اور حدیث کا بعض
حصہ مان لیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

(سوئم) کسی صحیح روایت سے یہ ثابت
اعترض نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز
جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو، حافظ ابن قیم
کہتے ہیں :-

و یذکر عن النبی صلی اور بی کریم صلی اللہ علیہ

اللہ علیہ وسلم اندہ وسلم سے ذکر کیا جاتا ہے
 امران یقرأ علی الجنائزہ کہ آپ نے نمازِ جنازہ میں
 لفاتحۃ الكتاب قرأت فاتحہ کا حکم
 ولا یصلح اسنادہ۔ فرمایا۔ مگر اس کی سند صحیح
 (اختلاف اُمت اور صراطِ نہیں۔)

(مستقیم ص ۱۶)

جواب | احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سورہ
 فاتحہ پڑھنے کا حکم تو موجود ہے اگر موصوف
 کو حنفی مذہب کی محبت کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو
 وہ اور بات ہے۔ پھر موصوف نے اپنی حمایت میں ابن
 قیم کا قول نقل کیا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ
 پڑھنے کا حکم سنداً صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابن قیم اور
 یوسف صاحب کی بات کس حد تک صحیح ہے دلائل کی

روشنی میں ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے مجھے خبر دی :-

ان السنة في الصلوة	بے شک نماز جنازہ میں
على الجنائز ان يكبر	سُنّت یہ ہے کہ امام التکبیر
الامام ثم يقرأ بفاتحة	کہتا ہے۔ پھر پہلی تکبیر کے
الكتاب بعد التكبير	بعد اہستہ آواز میں سورہ
الاولى - سترافي نفسه	فاتحہ پڑھتا ہے۔ پھر نبی
ثم يصلي على النبي	صلی اللہ علیہ وسلم پر رُود
صلى الله عليه وسلم	شریف بھیجتا ہے اور
ويخلص الدعاء	تیسری تکبیر میں جنازہ
للجنازة في التكبيرات	کی دُعا کو پہنچتا ہے۔ اس میں

(الثلاث لا یقرأ فی شیء منهن ، ثم یسلم سرّاً فی نفسه ان یفعل من وراءه مثلاً فعل امامه (رواه الشافعی فی کتاب الام ۲/۲۷ جز ۲ اور رواه الحاکم ۱/۳۶۰ صحیح الحاکم و واقف الذہبی و رواه البیہقی ۴/۳۹ و احکام الجنائز للالبانی ص ۱۲۰ سندہ صحیح) الفتح البربانی جز ۲/۲۲۱ و سندہ صحیح)

کچھ اور نہیں پڑھتا۔ پھر آہستہ آواز سے سلام پھیرتا ہے (جس وقت وہ اپنی دائیں جانب سلام پھیر لیتا ہے تو پھر سنت یہ ہے کہ جو امام کے پیچھے ہیں وہ بھی امام کے مثل کرتے رہیں۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عوف کہتے ہیں:
 صلیت خلف ابن عباس رضی اللہ
 عنہ کے پیچھے جنازہ کی
 عنہما علی جنازۃ
 فقراء بفاتحة الكتاب
 قال لتعلموا انها
 سنة (صحیح بخاری)
 (فتح الباری ۳/۲۰۳)
 تاکہ تم جان لو کہ اس کا پڑھنا
 (نماز جنازہ میں) سنت ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:-

ان النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم قراء
 علی الجنائز بفاتحة
 ان النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے جنازہ
 کی نماز میں سورۃ فاتحہ

الکتاب (رواہ الترمذی) پڑھی۔

تلخیص ابن حجر جزء ۲

ص ۱۱۹ اسنادہ صحیح

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: کہ عبداللہ ابن عباسؓ
کی حدیث اُنہا سنتہ مندرجہ بالا حدیث کو مضبوط
کرتی ہے۔ یعنی سورہ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھنا سنت ہے۔

(۴) حضرت اُمّ شریک انصاری رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:-

امرنا رسول اللہ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

اللہ علیہ وسلم وسلم نے ہمیں حکم دیا

ان یقرأ علی الجنائزۃ کہ ہم نماز جنازہ میں

بفاتحہ الکتاب سورہ فاتحہ پڑھا

(رواہ ابن ماجہ ۴۷۹) کریں۔

ومجمع الزوائد

مندرجہ بالا حدیث کی روایت میں شہر بن حوشب
 ہیں۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، انام عجل، یعقوب بن
 شیبہ اور دوسرے ائمہ نے ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب)
 امام بخاری کے حوالہ سے امام ترمذی کہتے ہیں:۔
 شہر حسن الحدیث و قوی امرہ (تہذیب)
 یعنی شہر بن حوشب کی حدیث کو حسن کہا اور اس کے
 معاملہ کو قوی بتایا، لہذا یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر
 صحیح ہوئی۔ مزید برآں امام ترمذی، امام عراقی،
 اور حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔
 (الفتح الربانی ج ۱، ص ۱۳۲)

(۵) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔
 قال رسول اللہ صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 اللہ علیہ وسلم وسلم فرماتے ہیں: جب

اذا صليتم على الجنازة تم جنازه کی نماز
 فاقرأوا بفاتحة پڑھو تو سورہ فاتحہ
 الكتاب (رواه الطبرانی پڑھو۔

فی الکبیر ۲۴/۱۶۲) (مجمع

الزوائد ۳/۳۲)

اس روایت میں ”محمد بن حمدان“ ہے امام ابو حاتم
 نے صالح اور ابو زرعمہ نے صدوق کہا ہے (الرجح والتعديل
 ۲۳۶/۷) (تقریب) امام ابو داؤد محمد بن حمدان کی
 تعریف کرتے تھے۔ امام نسائی نے کہا ہے یہ قوی نہیں
 ہے۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے خطاء کے ساتھ۔
 (تمذیب) امام ذہبی صالح الحدیث کہتے ہیں۔ ابن
 عدی کہتے ہیں۔ میں اس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتا
 (میزان) لہذا یہ حدیث بھی شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے۔

جناب یوسف صاحب یہ احادیث قوی ہیں۔

(۶) حضرت اُمّ عقیف رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:-

امونا ان لقراً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

میتنا بفاتحة الكتاب. وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ

(رواہ الطبرانی فی الکبیر ہم اپنے مُردوں پر سورہ

فاتحہ پڑھا کریں۔ (۱۶۸/۲۵)

اس حدیث کی روایت میں عبد المنعم ابو سعید

کی وجہ سے ضعف ہے مگر متابعت اور شواہد کی بنیاد پر کوئی مضائقہ نہیں۔

(۷) وعن ابی ہریرۃ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو الدرداءؓ،

وابی الدرداء وابن حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت

مسعود و انس بن انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم

مالک انہم کانوا نماز جنازہ میں اُم القرآن پڑھا

یقرؤن ام القرآن کرتے تھے دعاء کرتے تھے اور
 ویدعون ویستغفرون بخشش طلب کرتے تھے
 بعد کل تکبیرۃ من تیسری تکبیر میں سے
 ثلاث فی الجنازۃ ثم ہر تکبیر کے بعد۔ پھر
 یکبرون ویصرفون اللہ اکبر کہتے اور (سلام)
 ولا یقرؤن (المحلی بن پھیر دیتے۔ پھر
 حزم ۵/۱۳۰) (مصنف قرأت نہ کرتے۔

عبدالرزاق ۳/۴۹۲ وسندہ

صحیح و لا شواہد

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے :-

انه کان یقرأ علی الجنازۃ حضرت عبداللہ رضی اللہ
 بام الكتاب (المحلی عنہ نمازِ جنازہ میں اُمّ

ابن حزم ۵/۱۲۹ (سندہ) الكتاب پڑھا کرتے تھے۔
صحیح ماقبلہ)

(۹) محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے:-

ان المسورین مخومة حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ

صلی علی الجنائزہ فقرا عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی

فی التکبیرۃ الاولی (تکبیر تحریمیہ) کے بعد پہلی

فاتحۃ الكتاب سوۃ تکبیر میں سورۃ فاتحہ

قصیرۃ رفع بہا صوتہ کی قرأت کی اور ایک چھوٹی

فلما فرغ قال لا سورت پڑھی اور اپنی آواز

اجہل ان تكون هذه کو ان دونوں کے ساتھ

الصلاۃ عجماء وکن بلند کیا۔ جب نماز سے فارغ

اردت ان اعلمکم ہوئے تو کہا میں بھولا نہیں

ان فیہا قرأۃ (المحلی ہوں کہ یہ نماز ناقص ہوئی

ابن حزم ۵/۱۲۹) ہے لیکن میں نے ارادہ کیا
کہ تمہیں بتاؤں کہ اس میں
قرأت ہے۔

اس روایت کی سند صحیح ہے۔

(۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا بِرِحْلَةٍ تَكْبِيرٍ كَمَا كَرْتُمْ
وَلَقَدْ بَفَاتِحَةِ الْكِتَابِ تَحْتَهُ أَوْ رِيسْلِي تَكْبِيرٍ مِثْلِ
فِي تَكْبِيرَةِ الْأُولَى - سُوْرَةُ فَاتِحَةِ بَرُصْهَ كَرْتُمْ
(رواہ الحاکم فی مستدرک ۳۵۸) تھے۔

اس حدیث کی روایت میں "عبد اللہ بن محمد
بن عقیل" جو صرف حافظہ میں کمزور ہیں متابعت

میں حجت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، دوسرا
راوی ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ متروک ہے۔ لیکن
اس کی حدیث کا متن صحیح احادیث سے ثابت ہے۔
لہذا کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۱) حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں: نماز
جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ (رواہ ابن
ابی شیبہ ۳/۱۸۱ و سندہ صحیح)

(۱۲) حضرت فضا بن امیہ کہتے ہیں:-

قرأ الذی صلی علی جس نے ابوبکر اور عمر رضی
ابی بکر و عمر و فاتحہ اللہ عنہما کی نماز جنازہ
الکتاب (رواہ البخاری پڑھائی انہوں نے سورہ
فی تاریخہ ۲/۱۲۵ و نیل الاوطار فاتحہ پڑھی۔

جزء ۵ ص ۶۷ لا بأس بہ سندہ)

(۱۳) امام حسن البصری، امام مکحول، فضالہ مولیٰ عمران، ابراہیم اور دوسرا ائمہ کرام نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) الغرض نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے جو مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی ہیں اور متعدد ائمہ سے بھی مروی ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر صحابہ کرام سے پھر تابعین اور تبع تابعین سے ثابت ہے۔ قارئین کرام یوسف لدھیانوی صاحب اور حافظ ابن قیم کا قول کس حد تک صحیح ہے، آپ خود غور کر سکتے ہیں۔

اعتراض | چہام :- نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی سب سے صحیح حدیث وہ ہے جسے

امام بخاری نے ”باب قرأت الفاتحۃ علی الجنازۃ“ میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

(۴) اعتراض سوم میں فرما رہے تھے
جواب کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے

کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور چہارم میں فرما رہے ہیں کہ سب سے صحیح حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ قارئین کرام یہی ہمارا کہنا ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی حدیث جو صحیح بخاری میں ہے وہ صحت کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے اور دوسری احادیث بھی صحیح ہیں اگرچہ صحت میں کچھ کم سہی۔ لہذا جناب یوسف لدھیانوی صاحب نے بھی ہماری تائید کر کے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو تسلیم کر لیا۔

اس روایت میں ایک امر توقابل
اعتراض غور یہ ہے کہ حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے سوال سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کیا کیا تھا یا بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں؟ اگر بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں سوال تھا تو جواب میں سنت اور حق بھی جہر ہی کو فرمایا گیا ہوگا۔

جواب | امر قابل غور جب ہوتا جب کہ اس بات کی وضاحت احادیث میں نہ ہوتی۔

احادیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سہری ہے۔ احادیث گذر چکی ہیں وہاں دیکھئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھانے کے بعد خود فرمایا تھا کہ بلند آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھنا تعلیم ہے، یعنی لوگوں کو سنانے کے لئے ہم نے بلند

آواز سے پڑھی ہے ورنہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ
پڑھنا خفیہ آواز سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظہر یا عصر کی نماز
میں کبھی کبھار کسی سورت کی ایک یا دو آیات بلند
آواز سے پڑھ لیا کرتے تھے تاکہ صحابہ کرام کو معلوم ہو جائے
کہ آپ کو نسی سورت پڑھ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری
صحیح مسلم)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ
..... بلند آواز سے پڑھ لیا کرتے تھے تاکہ صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو جائے کہ (تکبیر تحریر کے
بعد) سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ پڑھنا سنت اور حق
ہے (صحیح مسلم)۔

لہذا جس فعل کا خفیہ ہونا سنت ہے اگر وہ

فعل یا عمل تعلیمًا بلند آواز سے پڑھا جائے تو وہ خفیہ ہی رہے گا کسی کے طنز کرنے سے بلند آواز سے پڑھنا سنت نہیں ہوگا۔

اعتراف | اگر آپ سے سوال سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں تھا تو اس

سوال سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ عام طور پر عادت نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی نہیں تھی۔ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خلاف معمول کیا۔ اس لئے ان سے سوال کیا گیا۔ اور جواب میں اس کو سنت فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سورۃ فاتحہ کا بنیبت ثناء پڑھنا بھی جائز ہے اور یہ بعینہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ (اختلاف امت اور ضراط مستقیم ص ۱۶۸ جزء ۲)

جواب | حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نماز

جنازہ میں سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھنے کا انداز بتا رہا ہے کہ بعض حضرات نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو ترک کر چکے ہوں گے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بلند آواز سے قرأت کر کے یہ بتانا چاہا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا عین سنت ہے جس کو آپ لوگ چھوڑ چکے ہیں اور جب عبداللہ بن عباسؓ نے بلند آواز سے قرأت کی تو یہ چیز نئی اور خلاف معمول معلوم ہوئی اور ابن عباسؓ سے اس سلسلہ میں سوال ہوا تو ابن عباسؓ نے اس عمل کی وضاحت کر دی کہ میں نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھ کر ان حضرات کو بتانا چاہتا ہوں جو اس عمل کو چھوڑ چکے ہیں۔ مزید برآں جناب یوسف لدھیانوی صاحب سورۃ فاتحہ کو بحیثیت ثناء سمجھتے ہیں اور نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کو ثناء کی

حیثیت سے پڑھنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے تو احناف کے نزدیک صرف جائز کیوں ہے فرض کیوں نہیں ہے۔ ایسی سنت جس کے چھوڑنے پر ابن عباسؓ لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ اس سنت کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ احناف کا جائز کہنا سنت کی اہمیت کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہی ہمارا کہنا ہے کہ احناف اپنے مذہب کے سامنے سنت کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ سنت ہی تو ہے اور اپنے مذہب کو جو خود ساختہ ہے پکڑے رہتے ہیں۔

اعتراض | دوسرا امر یہ بھی قابل غور ہے کہ ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما نے صرف سورہ فاتحہ نہیں پڑھی بلکہ اس کے ساتھ ایک سورہ بھی پڑھی مگر نماز جنازہ

میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورہ پڑھنے کا کوئی بھی
قائل نہیں۔ (اختلاف امت)

جواب | قارئینِ کرام ذرا یوسف لدھیانوی صاحب
کے مندرجہ بالا بیان پر غور فرمائیے کہ
کس قدر گمراہ کن ہے کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہے، جس عمل کا ہونا سنت ہے اس
عمل کو یہ کہہ کر ٹال رہے ہیں کہ لوگ نماز جنازہ میں سورہ
فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کے پڑھنے کے قائل نہیں
ہیں۔ وہ کون لوگ ہیں ذرا یوسف صاحب انکے
نام تو بتائیں؟ الیہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات یوسف
صاحب اور ان کے پیروکار ہی ہو سکتے ہیں یعنی
احناف۔

حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن عوف کہتے ہیں:-

صلیت خلف ابن میں نے حضرت ابن عباسؓ
عباس علی جنازہ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔
فقرأ بفاتحة الكتاب انہوں نے سورہ فاتحہ اور
وَسُورَةُ وَبِهِر حَتَّى اسْمَعْنَا سورت کی تلاوت کی اور
فَلَمَّا فَرَغَ اخَذَتْ آواز کو بلند کیا حتیٰ کہ ہمیں
بیدہ فسألتہ فقال سنایا۔ پھر جب وہ فارغ
سنتہ وحق (رواہ النسائی ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ
جزء ۴ ص ۷۷ و سندہ صحیح پکڑا اور میں نے سوال کیا تو
انہوں نے کہا یہ سنت ہے۔
اور حق ہے۔ یعنی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔
سنت دین ہے۔ سنت اسلام ہے۔ سنت کی پیروی فرض
ہے۔ سنت نہیں تو اسلام نہیں۔ الغرض کوئی قائل

ہو یا نہ ہو ہم تو سنت کے دلدادہ اور فریفتہ ہیں۔

اعترض | اگر اس حدیث سے حنفیہ پر ترک سنت کا الزام عائد کیا جائے تو یہی الزام اسی حدیث

سے دوسروں پر عائد ہوگا۔ (حوالہ مذکورہ)

جواب | بالکل حنفیہ پر ترک سنت کا الزام عائد ہوگا اور اگر دوسرے مذاہب پرست بھی نہیں

تسلیم کریں گے تو ان پر بھی یہی الزام عائد ہوگا۔

اعترض | یہ غلط ہے کہ حنفیہ سورہ فاتحہ کے قائل نہیں ان کا موقف یہ ہے کہ چونکہ صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض حضرات

سورہ فاتحہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں (حوالہ مذکورہ)

جواب | (۱) یہ صحیح ہے کہ حنفی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کے قائل نہیں، امام ابو حنیفہؒ کہتے

ہیں: لا قراۃ علی الجنازۃ (موطا امام محمد ص ۱۶۸)
 (نماز) جنازہ میں قراۃ نہیں ہے۔ جناب یوسف
 لدھیانوی صاحب کہتے ہیں: یہ غلط ہے کہ حنیفہ سورۃ فاتحہ
 کے قائل نہیں، اب ہم امام صاحب کی مانیں یا لدھیانوی
 صاحب کی، اگر لدھیانوی صاحب نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ
 پڑھنا ٹھیک سمجھتے ہیں تو لدھیانوی صاحب جماعت
 المسلمین کے کچھ قریب آگئے ہیں اور امام صاحب کے خلاف
 جارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یوسف صاحب کو امام ابوحنیفہؒ
 کے قول سے اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ امام صاحب کا
 قول احادیث کے خلاف ہے۔

(۲) ”یوسف لدھیانوی صاحب کا یہ کہنا کہ
 بعض صحابہ کرام سورۃ فاتحہ کے قائل تھے اور بعض نہیں“
 یعنی یوسف صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ،

حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت فضالہ بن عبیدؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ، واثلہؓ، حضرت قاسمؓ، حضرت سالمؓ، ابن المسیبؓ، عطاء بن ابی رباحؓ، یحییٰ بن سعیدؓ یہ حضرات سورہ فاتحہ کے قائل نہیں تھے۔

”فارئین کرام“ ”لَا یَقْرَأُونَ“ سے مراد یوسف صاحب یہ لے رہے ہیں کہ مندرجہ بالا صحابہ کرام سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے حالانکہ ان کی یہ مراد لینا غلط ہے۔ ہم نے ص ۳۳ دلیل (۹) پر ایک موقوف حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ام القرآن پڑھا کرتے تھے۔ ”فَیَنْصَرِفُونَ وَلَا یَقْرَأُونَ“ پھر یہ حضرات سلام پھیر دیتے تھے اور قرأت نہیں

کرتے تھے۔ یہی اس کا صحیح مطلب ہے جو احادیثِ صحیحہ اور مرفوعہ کے عین مطابق ہے۔ لہذا بعض صحابہ کرام سورہ فاتحہ کے قائل تھے اور بعض نہیں یہ چیز بھی ثابت نہیں ہے۔ مزید برآں حضرت ابو امامہ بن سہل، حضرت طلحہ بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت ام شریک النزاری، حضرت اسماء بنت یزید، حضرت ام عقیف رضی اللہ عنہم تو مرفوعاً سورہ فاتحہ پڑھنے کو روایت کر رہے ہیں اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود ابن مخرمہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو الدرداء اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم آپ کی سنت کے مطابق عمل کر کے بتا رہے ہیں۔ بعد ازاں یوسف لکھناوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اس اثر کی سند و صحت کیسی ہے۔ سب جگہ صحت بتاتے ہیں مگر یہاں خاموشی سے

گذر گئے آخر کیوں؟

(۳) ”بعض صحابہ کرام نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے قائل تھے اور بعض نہیں“ اس مسئلہ پر اس وقت غور ہوتا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت نہ ہوتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے اور ہم سابقہ اوراق میں ثابت کر بھی آئے ہیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام کے عمل کو پیش کرنا غلط ہے۔ صحابہ کرام سے بھول و غلطی ہو سکتی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھول اور غلطی کا صدور ناممکن ہے۔ لہذا نبی علیہ السلام کی پیروی ہوگی۔ اور غیر نبی کی پیروی نہیں ہوگی۔

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ
اعترض میں سورۃ فاتحہ فرض و واجب نہیں“
 (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں
جواب سورۃ فاتحہ پڑھی ہے جب پڑھی ہے تو
 فرض بھی ہے اور واجب بھی۔ یعنی ہر حال میں پڑھنی ہے
 ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

”البتہ حق تعالیٰ شانہ کی حمد و ثناء کے
اعترض طور پر سورۃ فاتحہ پڑھ لینا درست ہے“
 (حوالہ مذکورہ)

یوسف لدھیانوی صاحب ابھی اوپر فرما
جواب رہے تھے کہ فرض و واجب نہیں ہے۔
 یہاں کہہ رہے ہیں کہ حمد و ثناء کے طور پر پڑھ لینا درست

ہے۔ جناب موصوف پریشان ہیں۔ اگر صاف اور واضح الفاظ میں یہ کہہ دیں کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا درست ہے تو حنفی مذہب کی مخالفت ہوتی ہے اور اگر صاف و صریح الفاظ میں یہ کہہ دیں کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھو تو احادیث نبوی کی مخالفت ہوتی ہے۔ جناب یوسف صاحب ہمت کیجئے اور کہیے کہ ہم صرف اسلام کی پیروی کریں گے۔

اعتراض ”خلاصہ یہ کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ احادیث سے سورہ فاتحہ کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔“ (حوالہ مذکورہ)

جواب موصوف ہمارے بہت قریب آگئے ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب و فرض ہے انکار کی گنجائش نہیں۔

اعتراف | ایک صاحب اعتراض کرتے ہیں مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں

سلام پھیرنے کے موقع پر (وَبَرَكَاتُهُ) کے الفاظ ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔ لیکن ابوداؤد یا دوسری احادیث میں ”وَبَرَكَاتُهُ“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ابن الصلاح بھی یہی کہتے ہیں تو کیا یہ الفاظ مسعود احمد صاحب کی اپنی اختراع ہے؟

جواب | ”وَبَرَكَاتُهُ“ کے الفاظ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں ہیں اور کسی نسخہ میں نہیں ہیں۔

جس نسخہ میں آپ نے دیکھا ہو ہو سکتا ہے کہ اس نسخہ میں نہ ہوں۔ لیکن یہ الفاظ ثابت شدہ ہیں۔

ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں :-

وَقَعَ فِي صَحِيحِ ابْنِ حَجْرٍ عَسْكَلَانِي كَيْتَ هِيَ :-
حضرت عبداللہ بن مسعود کی

حبان من حدیث حدیث جو صحیح ابن حبان
 ابن مسعود و زیادة میں ہے اس میں "دبر کائے"
 (وَبَرَکَاتُہ) وہی عند کی زیادتی موجود ہے۔
 ابن ماجہ ایضاً وہی اسی طرح وائل بن حجر
 عند ابی داؤد و ایضاً کی حدیث میں، اسی طرح ابن
 فی حدیث وائل بن ماجہ میں اسی طرح ابو داؤد
 حجر فیتعجب میں بھی یہ زیادتی موجود ہے۔
 من ابن الصلاح حیث لیکن ابن صلاح کے اس
 یقول ان هذه قول پر جو انہوں نے کہا ہے
 الزیادة لیست فی کتب احادیث میں یہ زیادتی
 شیء من کتب الحدیث کی کوئی حقیقت نہیں حیرت
 (تلخیص ابن حجر جزء ۱ ص ۲۷۱) ہو رہی ہے۔

مسعود احمد صاحب کی یہ اختراع ہے اور نہ مسعود احمد

صاحب سے آپ ایسی توقع رکھیے، یہ زیادتی احادیث میں
موجود ہے، نوٹ فرمائیے۔

اعترض | صلوٰۃ المسلمین میں نماز جنازہ کے سلسلے
میں کہتین صفیں بنائی جائیں۔ حدیث

ضعیف لکھا ہے اور اس حدیث میں کوئی خرابی نہیں
سوائے تدلیس کے اور تدلیس آپ حضرات مانتے نہیں
تو اب یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہوئی؟

جواب | جماعت المسلمین کے نزدیک یہ حدیث
صحیح ہے۔ ہم صلوٰۃ المسلمین میں کہ یہ

حدیث ضعیف ہے، اصلاح کر دیں گے۔

اعترض | لدھیانوی صاحب کہتے ہیں: ہمارے
ہاں خطبہ کے احکام میں بتلایا جاتا ہے کہ

جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت

نہ نماز پڑھی جائے، (اختلاف امت اور صراط مستقیم
صفحہ ۱۸۷ جزو ۲)

جواب جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے یا
خطبہ دے رہا ہو تو احادیث نماز پڑھنے کا حکم
دیتی ہیں، لیکن احناف کے مدارس میں یہ سبق دیا جاتا ہے
یہ ذہن سازی کی جاتی ہے کہ نماز نہ پڑھو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا کلمہ پڑھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث
کی مخالفت کرتے ہیں، تعجب ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

فلیحذروا الذین ان لوگوں کو جو رسول (صلی اللہ
یخالفون عن امرہ علیہم السلام) کے قول و فعل کی مخالفت
ان تصیبہم فتنۃ کرتے ہیں ڈرتے رہنا چاہیئے،
او یصیبہم عذاب ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ کسی فتنہ

الْبِیْمُ (سُورہ نور) میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی

دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

احناف نے جن احادیث کی مخالفت کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :-

جاء رجل والنبي ایا شخص آیا اس حال میں

صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں

یخطب الناس یوم سے جمعہ کے دن خطاب فرما

الجمعة فقال صلیت رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا :-

یا فلان قال لا قال اے فلان تم نے نماز پڑھی ؟

قمر فارح (صحیح بخاری) اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے

صحیح مسلم) فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم خطب خطاب فرما رہے تھے پھر
 فقال اذا جاء فرمایا جب تم میں سے
 احدکم یوم الجمعة کوئی جمعہ کے دن آئے
 وقد خرج الامام اور امام نکل آیا ہو (تو)
 فلیصل رکعتین اس کو چاہیئے کہ دو رکعت
 (صحیح مسلم) نماز پڑھے۔

(۳) حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے حضرت
 ابو قتادہؓ کہتے ہیں :-

دخلت المسجد و میں مسجد میں داخل ہوا اس
 رسول اللہ صلی اللہ حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم جالس علیہ وسلم لوگوں کے درمیان
 بین ظہرائی الناس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔
 قال رسول اللہ صلی کہتے ہیں : میں بھی بیٹھ گیا

اللہ علیہ وسلم ما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 منعك ان ترک رکعتین نے فرمایا: (اے ابوقتادہ) آپ
 قبل ان یجلس قال سے قبل کہ تم بیٹھو کس چیز
 فقلت یا رسول اللہ نے تمہیں روکا کہ تم دو رکعت
 را تیک جالساً والناس نماز پڑھتے؟ کہتے ہیں: ہیں
 جلوس قال فاذا دخل نے کہا: اے اللہ کے رسول
 احداکم المسجد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے
 فلا یجلس حتی یرکع دیکھا آپ تشریف فرما ہیں
 رکعتین (صحیح مسلم، اور لوگ (بھی) بیٹھے ہوئے
 کتاب الصلوٰۃ باب استحباب ہیں (تو میں بھی بیٹھ گیا) آپ
 تحیۃ المسجد ۱/۲۹۵) نے فرمایا: جب تم میں سے
 کوئی مسجد میں داخل ہو جب تک وہ دو رکعت نہ پڑھ لے

نہ بیٹھے۔

اس حدیث کا جمعہ ہو یا جمعہ نہ ہو نماز پڑھنے کا
اطلاق ہوتا ہے۔

(۴) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :-
انہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وہو یخطب فقعد
فقال لہ هل رکت
فقال لا قال قم مارکع
رکتین (رواہ الطبرانی
تلخیص ابن حجر ۲/۶۱، سند
صحیح) (وسکت علیہ الحافظ
فتح الباری ۱/۵۳۸)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

جاء رجل والنبي — ایک شخص آیا اور نبی صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم — علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے۔

یخطب فقال صلیت — پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نے

قال لا قال فصل — نماز پڑھی؟ کہا: نہیں آپ

وکتبتین (رواہ ابن ماجہ) — نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو۔

صحیح ابن ماجہ ۱۸۴/۱

(۶) حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں

کہتے ہیں:-

جاء سلیک الغطفانی — سلیک غطفانی آئے اور

ورسول اللہ صلی اللہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم یخطب — خطبہ دے رہے تھے۔ بنی

فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسِيتُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْلِيَّتَ ۖ فَرَمَايَا: كَيْفَ تَمُّنِي دُورَ رَكْعَتِ
 رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تَجْعَلَ ۖ نَسِيتُ أَنْ أَتِيَّ مِنْ زَيْطٍ هَلِيَّ أَسْ مِنْ قَبْلِ
 قَالَ لَا قَالَ فَصَلَّ ۖ تَمُّ آتِي ۖ أَنَّهُمْ نَسِيتُ ۖ كَمَا ۖ
 رَكْعَتَيْنِ وَتَجُوزُ فِيهِمَا ۖ نَسِيتُ ۖ آتِي ۖ نَسِيتُ ۖ فَرَمَايَا ۖ ۖ
 (سَمِعَ ابْنُ مَاجَه ۱/ ۱۸۲) دُورَ رَكْعَتِ ۖ هَلِيَّ وَأَنْ تَجُوزُ
 كَوَيْلًا ۖ هَلِيَّ ۖ

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس حدیث
 کو روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ۖ

جَاءَ سَلِيكَ الْغُطْفَانِي سَلِيكَ الْغُطْفَانِي آتِي ۖ وَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَطِّبُ ۖ خُطْبَةً دَعَا بِهَا تَقِي ۖ عَلَيْهِ
 فَقَالَ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ۖ فَرَمَايَا ۖ

اصلیت شیئاً قال کیا تم نے کچھ نماز پڑھی؟ کہا:
 لا قال صلّ رکعتین نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دو
 تجوز فیہا (المحمّد بن رکعت پڑھو) اور ان کو ملکا
 حزم ۵/۶۸، صحیح لغیرہ) پڑھو۔

(۸) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کی
 حدیث روایت کرتے ہیں (رواہ الترمذی ۲/۳۸۶)
 حضرت جابر، حضرت ابو قتادہ، حضرت ابوذر غفاری
 حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت
 ابوسفیان اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم اتنے
 حضرات بیان کر رہے ہیں کہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے
 یا خطبہ کے لئے نکل آئے تھے ہر حال میں دو رکعت پڑھنے
 کا حکم صادر فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز آئے تو بیٹھنے

سے پہلے دو رکعت پڑھے پھر بیٹھے، یہ حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا نہیں۔ آپ نے اس حکم پر کس طرح عمل کرایا اگر کوئی صحابی دورانِ خطبہ آکر بیٹھ گئے ہیں تو آپ خطبہ دینا چھوڑ دیتے ہیں اور اس بیٹھنے والے سے (۲) رکعت پڑھواتے ہیں اور پھر خطبہ دینے لگتے ہیں۔

اسی سنت کو زندہ کرنے کے لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مروان کے سامنے نبرد آزما ہو گئے

ان اباسعید الخدری حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن (مسجد) میں داخل ہوئے۔ اس حال میں کہ مروان خطبہ دے رہے تھے۔ ابوسعید کھڑے ہوئے نماز پڑھنے لگے۔ پاسبان

دخل يوم الجمعة ومروان يخطب فقام يصلي فجاء الحرس ليجلسوه فابى حتى صلى فلما انصرف اتيناها

فَقُلْنَا رَحِمَكَ اللَّهُ أَنْ
كَادُوا لِيَقْعُوا بِكَ
فَقَالَ مَا كُنْتُ لَأَتْرَكُهَا
بَعْدَ شَيْءٍ رَابِتَهُ مِنْ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ذَكَرَ
أَنْ رَجُلًا جَاءَ يَوْمَ
الْجُمُعَةِ فَاَمْرَهُ فَضَلَّى
رَكَعَتَيْنِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ
(رواه الترمذی ۳۸۵/۲)
(حدیث حسن صحیح)

آئے تاکہ انہیں بیٹھا دیں ابو
سعید نہ مانے حتیٰ کہ نماز پڑھتے
رہے۔ پھر جب سلام پھیر دیا
ہم ان کے پاس آئے۔ پھر
ہم نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے
وہ لوگ قریب تھے کہ آپ پر
واقع ہو جاتے، حضرت ابوسعید
رضی اللہ عنہ نے کہا:۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا
ہے یہ چیز (دیکھنے) کے بعد
میں ان دو رکعتوں کو چھوڑنے
والا نہ تھا۔ پھر انہوں نے ایک
آدمی کا ذکر کیا جو پریشان حال

(مسجد) میں جمعہ کے روز داخل
 ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 جمعہ کے روز خطبہ دے رہے
 تھے پھر آپ نے دو رکعت
 پڑھنے کا حکم دیا اور نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مردہ سنت
 کو زندہ کیا مروان اور ان کے پاسبان کے درمیان بڑا نزاع
 ہو گئے اور بلا خوف و خطر ان دو رکعتوں کو پڑھا اور سنت کی
 پیروی کر کے تمام لوگوں کو بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حزم
 کہتے ہیں

فہذہ آثار من ظاہرۃ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت

متواترة عن جماعة من الصحابة رضي الله عنهم باصح اسانيد توجب العلم بامره صلى الله عليه وسلم من جاء يوم الجمعة والامام يخطب بأن يصلي ركعتين وصلاتها ابوسعيد مع النبي صلى الله عليه وسلم وبعده بحضرة الصحابة لا يعرف له منهم مخالف ولا عليه منكر الا شرط

سے یہ واضح متواتر صحیح ترین روایات ہیں۔ جو شخص جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یہ کہ وہ دو رکعت نماز پڑھے اور ابوسعید نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان دونوں کو پڑھا اور آپ کے بعد صحابہ کرام کی موجودگی میں پڑھا (ان دو رکعتوں کا پڑھنا) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فرض ہو جاتا ہے مزید برآں (یہ چیز بھی) واضح ہو جاتی ہے کہ ابوسعید کے فعل کی نہ کسی نے

مروان الذین تکلّموا مخالفت کی اور نہ انکار کیا سوائے
 بالباطل و عملوا الباطل مروان اور جن لوگوں نے دوران
 فی الخطبہ فاطہروا خطبہ باطل گفتگو کی اور باطل
 ید بہ ورامو ما تہ سنۃ عمل کیا اور جنہوں نے بدعت
 و اطفاء حق من اعجب کو ظاہر کیا اور بیہودہ علامت
 شأناً من یقتدی بن گئے۔ اس سے بڑھ کر تعجب
 بہم ویدع الصحابہ کس پر ہوگا جو ان حضرات
 (المعلیٰ ۵/۶۹) کی پیروی کرتا ہے اور صحابہؓ

کرام کو چھوڑ دیتا ہے)

ان دو رکعت کے سلسلہ میں علامہ ابن حزم کتنی عمدہ
 تشریح کر رہے ہیں اور اس مسئلہ میں صحیح طور پر اسلام کی
 ترجمانی کر رہے ہیں۔ علامہ ابن حزم کا یہ قول احناف کیلئے
 تازیانہ ہے۔

اعترض | ”حضرت خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ
تابعین کے نزدیک خطبہ کے دوران صلوٰۃ و کلام ممنوع ہے
(اختلاف امت و صراط مستقیم ص ۱۲۸ جزء ۲۰)

جواب | خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم سے دورانِ خطبہ ”صلوٰۃ“ کی ممانعت کی
کوئی صحیح حدیث نہیں۔ ایسا کہنا دھوکا اور فریب ہے۔
”تابعین دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھنے کو ممنوع
سمجھتے تھے۔ اس کا حال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عطاء کہتے ہیں :-

انہم کرہوا الصلوة (تابعین) نماز کو برا سمجھتے
والامام یخطب یوم تھے اس حال میں کہ امام جمعہ
الجمعة (رواہ ابن ابی کے دن خطبہ دے رہا ہو۔
شعبۃ ۲/۲۰)

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے دو رکعت نماز تہتہ المسجد پڑھ لی ہے تو مزید نماز پڑھنا درست نہیں۔ یہ مطلب قرین اسلام ہے اور جو مطلب لدھیانوی صاحب لے رہے ہیں۔ وہ خلاف اسلام ہے اور تابعین پر ضرب لگتی ہے کہ خلاف سنت باتوں کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۲) محمد رحمن سرین کہتے ہیں:

اذا خرج الامام فلا جب امام نکل آئے (تو جو
یصلیٰ احد حتی یفرغ نماز پہلے سے پڑھ رہا ہے) وہ
الامام (حوالہ مذکور) نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ امام
فارغ ہو جائے۔

اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا ہے
یعنی جو دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد مزید نماز پڑھ رہا ہے
وہ اب امام کے نکلنے کے بعد نہ پڑھے۔

(۳) عروہ کہتے ہیں :

اذا قعد الامام على المنبر فلا صلاة
جب امام منبر پر بیٹھ جائے پھر
کوئی نماز نہیں۔

(حوالہ مذکور)

اس قول کا مطلب بھی وہی جو ہم نے اوپر بیان

کیا ہے۔

(۴) ثعلبہ بن ابی مالک قرظی کہتے ہیں :-

ادركت عمرو و عثمان
فكان الامام اذا خرج
يوم الجمعة تركنا
الصلوة (حوالہ مذکور)
میں نے حضرت عمرؓ اور حضرت
عثمانؓ کو پایا جب امام جمعہ
کے دن نکل آتا تھا تو وہ نماز
چھوڑ دیا کرتے تھے۔

یعنی وہ لوگ نماز پڑھتے رہا کرتے تھے جس میں دو

رکعت بھی شامل ہوتی تھیں پھر جب امام نکل آتا تو وہ نماز

چھوڑ دیتے اور خطبہ سننے کی تیاری کرتے۔

(۵) سعید بن مسیب کہتے ہیں؛

خروج الامام یقطع امام کا لکنا مزید نماز کو روک
الصلوة (رواہ ابن ابی شیبہ) دیتا ہے۔

(۲۱/۲)

(۶) عطاء کہتے ہیں۔

عن ابن عباس وابن حضرت ابن عباس اور
عمرانمہا کانا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما
یکرہان الصلوة امام کے نکلنے کے بعد نماز
والکلام بعد خروج اور بات کرنے کو برا سمجھتے
الامام (حوالہ مذکور) تھے۔

قطع نظر اس بات کے کہ یہ آثار سند کیسے ہیں۔

ان آثار سے بھی یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ حضرات امام

صاحب کے آنے سے قبل نماز پڑھتے رہتے اور جب امام صاحب باہر تشریف لے آتے نماز چھوڑ کر خطبہ سننے کی تیاری میں مشغول ہو جاتے، یہ چیز عین احادیث کے مطابق ہے۔ ان آثار سے دوران خطبہ جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں ان کی ممانعت پر دلیل لینا مضحکہ خیز ہے۔

قارئین کرام لدھیانوی صاحب نے
خلفاء راشدین | خلفاء راشدین کے حوالے سے جو اس
 سلسلہ میں دلائل پیش کئے ہیں اب ذرا وہ ملاحظہ فرمائیے۔
 لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں :-

اعترض | موطا امام مالک میں بروایت زہری حضرت
 ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :-

انہم كانوا في زمن عمر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے
 بن الخطاب يصلون زمانہ میں لوگ جمعہ کے دن

يوم الجمعة حتى يخرج
 عمر بن الخطاب فاذا
 خرج عمرو وجلس
 على المنبر واذن
 المؤذن قال ثعلبة
 جلسنا نتحدث فاذا
 سكت المؤذنون وقام
 عمر يخطب انصتنا
 فلم يتكلم منا احد
 قال ابن شهاب
 فخرج الامام يقطع
 الصلوة وكلامه يقطع
 الكلام واختلاف امت
 نماز پڑھتے رہتے تھے یہاں
 تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
 تشریف لاتے۔ پس جب
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف
 لاکر منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن
 اذان کہتے تو ہم بیٹھے بیٹھے بات
 کر لیا کرتے تھے پھر جب مؤذن
 خاموش ہو جاتے اور حضرت
 عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لئے
 کھڑے ہو جاتے تو ہم خاموش
 ہو جاتے۔ پس ہم سے کوئی
 کلام نہ کرتا، ابن شہاب
 فرماتے ہیں پس امام کا نکلنا

صراطِ مستقیم ص ۱۹۴ جزء ۲) نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو

کو بند کر دیتا ہے۔

اس کا جواب ہم نے دیدیا ہے۔ جواب مذکورہ

جواب ملاحظہ فرمائیے، اسی طرح حضرت ثعلبہ

بن مالک، حضرت سائب بن یزید، حضرت عثمان، حضرت

علیؓ اور جو دوسرے آثار پیش کئے ہیں ان کا مطلب وہی

ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

یہ حضرات اس شخص کو جس نے امام کے آنے سے

پہلے نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ اُس وقت آتا ہے جب

امام خطبہ دے رہا ہے دو رکعت نماز پڑھنے سے نہیں

روکتے ہیں۔ یہ حضرات تو ان لوگوں کو منع کر رہے ہیں جو

امام کے آنے سے پہلے نماز پڑھ رہے تھے، دو رکعت نماز

بھی پڑھ چکے تھے اور مزید نماز پڑھنے کے خواہشمند تھے

ان کو روک رہے ہیں۔ دونوں مسئلوں میں تمیز کیجئے خلط ملط نہ کیجئے۔

کچھ احادیث ایسی بھی نقل کی ہیں جنکا غلط مطلب غلط تاثر لدھیانوی صاحب نے لوگوں کو دیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے :

اعتراف جناب یوسف لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آنحضرت کا یہ ارشاد مروی ہے :-

لا یغتسل رجل یوم الجمعة	جو شخص جمعہ کے دن غسل
الجمعة ویتطهر ما	کرے اور خوب صفائی کرے۔
استطاع من طهر	تیل لگائے اور گھر میں خوشبو
ویدهن من دهنه	ہو تو وہ لگائے۔ پھر جمعہ
ویمس من طیب	کے لئے نکلے تو دو آدمیوں
بیتہ ثم	کے درمیان نہ بیٹھے، پھر جتنی

یخرج فلا یفرق نماز اس کے لئے مقدر ہے
 بین اثنتین ثم یصلی پڑھے۔ پھر جب امام خطبہ
 ما کتب له ثم ینصت شروع کرے تو خاموش
 اذا تکلم الامام الا رہے۔ تو ایسے شخص کے اس
 غفر له ما بینہ و بین جمعہ سے دوسرے جمعہ تک
 الجمعة الاخری کے تمام گناہ معاف ہو جاتے
 (اختلاف امت ص ۱۹۱) ہیں۔

جواب | مندرجہ بالا حدیث میں بھی اس شخص کا ذکر
 ہے جو نماز پڑھ چکا ہے۔ مزید نماز پڑھنے کا
 خواہشمند ہے۔ جس شخص نے نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ دورانِ
 خطبہ آتا ہے اور وہ بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت
 نماز پڑھتا ہے، یہ احادیث اس کی ممانعت پر دلیل نہیں بن سکتی
 اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوالیوب انصاریؓ

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما
کی احادیث کا مطلب ہے جو لدھیانوی صاحب نے نقل
کی ہیں۔

مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
ان فی الجمعة لساعة جمعة میں ایک گھڑی ہوتی
لا یوافقہا مسلم قائم ہے کوئی مسلم جو کھڑا ہوا نماز
یصلی۔ (صحیح بخاری) پڑھ رہا ہے موافقت نہیں
(صحیح مسلم) کرتا۔

دوران خطبہ، امام کے نکلنے کے بعد اس شخص پر
پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ مزید نماز نہ پڑھے۔ جیسا کہ ارشاد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص پہلی ساعت میں
آتا ہے، جو دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں ساعت میں
آتا ہے اس کو ادنٹ، گائے، بکری، مرغی اور اندھے

کا ثواب ملتا ہے۔ جو ان ساعتوں میں آتا ہے اور نماز پڑھتا ہے وہ مزید نماز نہ پڑھے بلکہ نماز چھوڑ کر امام کا خطبہ سُنے۔

اعترض | ان احادیث طیبہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز پڑھنے کی حد خطبہ سے پہلے تک ارشاد فرمائی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص خطبہ شروع ہونے کے بعد نماز پڑھتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتا ہے (اختلافِ امت - ص ۱۹۱ جزء ۲)

جواب | جی ہاں خطبہ سے پہلے حد اس شخص کے لئے ہے جو امام کے نکلنے سے پہلے آگیا ہو اور نماز

پڑھتا رہا ہو، اس پر مزید نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ یہ حد اس کے لئے ہے۔ یعنی وہ شخص جو امام کے آنے سے پہلے نماز پڑھ چکا ہے مزید نماز پڑھنا چاہتا ہے تو بے شک ایسا شخص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔

لیکن وہ شخص جو دورانِ خطبہ آتا ہے یا امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد آتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرتا وہ حدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تجاوز نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

نافرمان تو وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو قیاس آرائیاں کر کے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں، طرح طرح کی تاویلیں گھڑ رہے ہیں، اپنے مذہب کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں۔ قارئین کرام ذرا یوسف لدھیانوی صاحب کے بیانات پر غور کیجئے کیا متضاد نہیں ہیں؟ ایک طرف تو وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دم بھرتے ہیں اور
دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی جڑیں
کاتے ہیں۔

خطبہ سے پہلے نماز اور خطبہ کے دوران
اعترض | دوم: انصاف، یعنی خاموش رہنا۔ جس
سے واضح ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران نماز پڑھنا سکوت کے
منافی ہے، چونکہ اس حالت میں سکوت واجب ہے۔ لہذا
نماز اور کلام دونوں مہنوع ہوں گے۔ (اختلاف امت اور
صراطِ مستقیم ص ۱۹۲ جزء ۲)

(۱) ”خطبہ سے پہلے نماز“ اس سلسلہ میں ہم بتا
جواب | چکے ہیں۔ (۲) ”خطبہ کے دوران انصاف یعنی
خاموش رہنا“ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو یہ
فرض کیوں نہیں ہے صرف واجب کیوں ہے۔

(۳) ”خطبہ کے دوران نماز پڑھنا سکوت کے منافی ہے“
 اگر منافی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دوران خطبہ
 نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ جناب لدھیانوی صاحب یہ دین
 اسلام اللہ اور رسول کا مرہونِ منت ہے۔ جو کچھ اللہ اور رسول
 کہتے ہیں بس وہی دین ہے۔

اچھا بتائیے آپ کو کس نے اختیار دیا ہے کہ آپ
 دین اسلام میں مداخلت کریں، قیاس ارائیاں کر کے دین
 اسلام میں رد و بدل کریں آپ کو اور آپ کے فقہاء کو قطعاً
 زیب نہیں دیتا کہ وہ دین اسلام میں کسی قسم کی مداخلت کریں۔
 (۴) دوران خطبہ دو آدمیوں کا آپس میں بات کرنا النحرکت
 ہے، تو کسی شخص کا دوران خطبہ نماز پڑھنا بھی اسی زمرے
 میں شامل ہوگا؟ ہرگز نہیں ہوگا۔ کہاں دو آدمیوں کا آپس
 میں باتیں کرنا اور کہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ لہذا ہرگز

سکوت کے منافی نہیں، دونوں کام الگ الگ ہیں
دونوں کا محل الگ الگ ہے۔

اعتراف | توحیۃ المسجد میں مشغول ہونا بدرجہ اولیٰ
ناجائز ہوگا، کیونکہ اس کا درجہ ایک مستحب

کلمہ ہے۔ دوسرے یہ کہ خاموش کہنے سے بڑھ کر محفل استماع
ہے۔ (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم)

جواب | لدھیانوی صاحب کی عبارت سے درج ذیل
باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) تحیۃ المسجد ناجائز ہے۔

(۲) تحیۃ المسجد مستحب ہے۔

قارئین کرام (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جناب موصوف حکم رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو ناجائز کہتے ہیں یہ کتنی بڑی جرات ہے

کتنی بڑی گستاخی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ناجائز کہنے والا مومن ہو سکتا ہے؛ ظاہر ہے کہ ایسا شخص کیسے مومن ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (نور ۵)

جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف مومنین کو بلایا جائے تاکہ اللہ اور اس کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو مومنین کا قول

صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہم نے سُن لیا اور ہم نے اطاعت کی تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہتہ المسجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اس حکم کو مستحب بنانے والے لدھیانوی ضا کون ہوتے ہیں۔ کیا ان کے پاس اس حکم کو مستحب بنانے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ ہے؟ اور جب ان کے پاس اس حکم کو مستحب بنانے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے تو پھر حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے مستحب ہو گیا۔ لہذا تہتہ المسجد سنت مؤکدہ ہے ضروری ہے، فرض ہے۔ مزید برآں موصوف نے جو اختلاف امت اور صراط مستقیم کے ۱۹۳، ۱۹۴ پر جو مثال پیش کی ہے وہ بھی مضحکہ خیز ہے۔ ہم ایسی مثالوں کا کیا جواب دیں، قارئین کرام خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس مثال کا اس واقعہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اعترض | یہ تو اد پر معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم نے

خطبہ کے استماع و انصات کو فرض قرار دیا ہے۔ اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات میں بھی اس کی تاکید
فرمائی گئی ہے۔ خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ و تابعین
(رضوان اللہ علیہم اجمعین) قرآن و سنت کے انہی نصوص
کے پیش نظر خطبہ کے دوران صلوٰۃ و کلام کے قائل نہیں
تھے (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ص ۱۹۷ جزء ۲)

جواب | ہم بھی اوپر بتا چکے ہیں کہ دورانِ خطبہ کلام
تو بے شک بروئے حدیث منع ہے لیکن رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ نماز دو رکعت پڑھنے
کا حکم دیا ہے۔ بروئے حدیث کلام منع ہے اور بروئے حدیث
دورانِ خطبہ نماز دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین کے سلسلہ میں ہم نے وضاحت
پہلے کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے اور وہو کانہ کھائیے۔

اور ہمیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی
اعتراف چاہیے کہ خبر واحد کی اہمیت زیادہ ہے یا
 خلفاء راشدین اور حضرات صحابہؓ کے تعامل کی یعنی
 جب خلفاء راشدین اور عام صحابہؓ کرام کا تعامل کسی خبر
 واحد کے خلاف ہو جیسا کہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں) تو
 خبر واحد کو واجب العمل قرار دیکر ان اکابر کو مورد الزام
 ٹھہرایا جائے گا۔ بیان اکابر کے تعامل کی روشنی میں
 خود خبر واحد کو لائق تاویل تصور کیا جائیگا۔ (حوالہ مذکور)

جواب جناب موصوف کا مندرجہ بالا بیان دھوکا و
 فریب ہے۔ جناب موصوف خبر واحد کی بحث
 چھیڑ کر عام لوگوں کو فریب دینا چاہتے ہیں یعنی ان کا
 مطلب یہ ہے کہ دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کا جو
 حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ حدیث صرف حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یعنی صرف ایک حدیث ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے ہم سابقہ اوراق میں بتائے ہیں کہ اس مسئلہ کو کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں یعنی تقریباً ۹۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت ہم پیش کر آئے ہیں۔

نام پھر ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما

(۲) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۶) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ

(۷) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

(۸) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ (رواہ الترمذی ۲/۲۶۶)

(۹) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

(رواہ الترمذی ۲/۱۲۹ و متفق علیہ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو ان دو رکعتوں

کی تبلیغ کرتے تھے۔ حضرت ابو قتادہ نے فرمایا:-

اعطوا المساجد (اے لوگو) مساجد کا حق ادا

حقہا قبل لہ وما کرو ان سے کہا گیا اس کا

حقہا؟ قال رکعتین حق کیا ہے؟ حضرت ابو قتادہ

قبل ان تجلس نے کہا اس سے قبل کہ تم بیٹھو

(رواہ ابن ابی شیبہ و دو رکعت نماز پڑھنا۔

فتح الباری ۱/۵۳۸ و

سکت علیہ الحافظ)

ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوتا ہے اور

دو رکعت پڑھے بغیر بیٹھ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر دوسرے جمعہ آیا اور دو رکعت پڑھے بغیر کھڑے ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو پھر بلایا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ شخص پھر تیسرے جمعہ آیا اور دو رکعت پڑھے بغیر کھڑے ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس شخص کو بلایا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا اور پھر آپ نے صدقہ دینے کی ترغیب دینے لگے (رواہ احمد

۲۵/۳ والنسائی فی الزکاة ۶۳/۵ وخرجه النسائی فی الجمعۃ والترمذی فی الجمعۃ ورواہ ابو یعلیٰ ۲۷۹/۲ واسنادہ حسن)

اتنی وضاحت سے ان دو رکعتوں کے بارے میں احادیث روایت کی گئی ہیں اور تقریباً ۹ (نو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں اور لدھیانوی

صاحب اس کو خبر واحد کہ کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس کو ہم عدم تحقیق کہیں یا

دھوکا دے سب کہیں یا

مذہب پرستی نے جوان کے ذہن پر ملتے جڑھا دیا ہے اس
کا کرشمہ کہیں۔

خبر واحد کا جو اصول لکھیا نوی صاحب نے وضع

کیا ہے یہ وضع کردہ اصول اخلاف کو منظور ہے، ایسا

تو نہیں کہ یہ وضع کردہ اصول اُن کے اپنے مذہب کے

خلاف پڑ رہا ہوا اور اپنی بجا آوری کے لئے الزامی جواب

دیکر اپنے خود ساختہ مذہب کو مضبوط کر رہے ہوں۔

اچھا تو درج ذیل مسئلہ پر غور فرمائیے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن

ہر بالغ پر غسل کرنا فرض ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث کو درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
روایت کرتے ہیں :-

- (۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔
- (۳) عثمان رضی اللہ عنہ۔
- (۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ
- (۵) حضرت عبدالرحمن ابن ابزى رضی اللہ عنہ
(رواہ ابن ابی شیبۃ)
- (۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (فتح الباری ۲/۳۶۱)
- (۷) حضرت عمار بن یسار رضی اللہ عنہ (کنز العمال فتح الباری)
- (۸) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (المحلی ۲/۱۰)
- (۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (المحلی ۲/۱۰)
- (۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

(کنز العمال ۳۸۰/۸ والمحلی وسندہ حسن)

(۱۱) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (المحلی ۹/۲)

(۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ

(رواہ الترمذی ۳۶۴/۲ وسندہ صحیح)

(۱۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما

(رواہ الترمذی)

(۱۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما (حوالہ مذکور)

(۱۵) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما

(کنز العمال ۳۸۰/۸ وسندہ صحیح ولہ شدہ اہد)

قارئین کرام ۱۵ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حدیث

کو روایت کرتے ہیں کہ غسل جمعہ فرض ہے، واجب ہے

چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ سنت مؤکدہ ہے مگر احناف نے

ان احادیث کے خلاف صرف خبر واحدہ پیش کر کے ان تمام

احادیث کا انکار کر دیا یعنی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ
والی حدیث لا کر ان تمام احادیث کا جو غسل جمعہ کے سلسلہ
میں ہیں جو صحیح ترین اسناد سے مروی ہیں یہ کہہ کر انکار
کر دیا کہ جمعہ کا غسل نفل ہے۔ حضرت سمرہؓ والی حدیث
کی پوری معلومات تحقیق صلوٰۃ ۴۹/۵ پر دیکھئے۔

جناب لدھیانوی صاحب آپ نے اپنے وضع کردہ
اصول کی پابندی کہاں کی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ
اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق خبر واحد کو چھوڑ دیتے
اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرفوع صحیح احادیث
پر عمل کرتے، جیسا کہ آپ نے تحفۃ المسجد کا انکار کر دیا
کہ دوران خطبہ تحفۃ المسجد پڑھنے کی حدیث صرف ایک
ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، ہم نے متعدد احادیث پیش
کر دی ہیں۔ وہاں بھی آپ نے دھوکا دفریب سے کام

لیا اور یہاں بھی آپ نے دھوکا اور فریب سے کام لیا۔
 یہاں آپ نے خبر واحد کو واجب العمل قرار دے کر
 جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت نہیں کی ہے۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

جناب لدھیانوی صاحب آپ کو رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا پاس ہے اور نہ صحابہ کرامؓ کے
 مرتبہ کا، آپ کو اگر کسی چیز کا پاس ہے تو وہ بس اپنے
 مذہب کا۔

اعترض | لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں:-
 ”ان اکابر نے سلیک غطفانی کی روایت
 کو جو معمول بہا نہیں سمجھا ہمارے نزدیک اس کی بلا
 تکلف دو جہتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حضرات جانتے
 تھے کہ سلیکؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کعتیں

پڑھنے کا جو حکم فرمایا ہے، یہ عام حکم نہیں بلکہ یہ صرف
انہی کے لئے ایک خصوصی و استثنائی حکم ہے۔“

(اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ص ۱۹۸ جز ۲)

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سلیک
جواب غطفانی رضی اللہ عنہ کے دور میں دو رکعت

پڑھنے کا حکم ان کے لئے خاص ہے کہیں نہیں کہا لُہیانوی
صاحب تاویل کر کے دھوکا دے رہے ہیں۔ عام اور خاص
کی بحث میں لوگوں کو پھنسا کر اپنے مذہب کو مضبوط کرتا
چاہتے ہیں۔ چلتے ہم لُہیانوی صاحب کی بات ٹھیک
مان لیتے ہیں کہ یہ حکم سلیک غطفانی کے لئے خاص ہے
مگر درج ذیل حدیث تو عام حکم دے رہی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:-

جاء سلیک الغطفانی سلیک غطفانی جمعہ کے
 یوم الجمعة ورسول الله دن آئے اس حال میں
 صلی الله علیه وسلم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 یخطب فجلس فقال له وسلم خطبہ دے رہے تھے
 یا سلیک قم فاركع وہ آکر بیٹھ گئے آپ نے
 رکعتین وتجاوز فیہما ان سے فرمایا اے سلیک
 ثم قال اذا جاء احدکم اٹھو اور دو رکعت پڑھو
 یوم الجمعة والامام (اور آپ نے عام حکم دیتے
 یخطب فلیرکع رکعتین ہوئے) فرمایا جب تم میں
 (صحیح مسلم ۲/۵۹۷) سے کوئی جمعہ کے دن آئے

اور امام خطبہ دے رہا ہو
 تو آنے والے کو چاہیے کہ
 دو رکعت پڑھے۔

”اذا جاء أحدکم“ یہ جملہ عام حکم پر دلالت کرتا ہے۔
 پھر حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت مروان کا واقعہ اس
 پر دلیل ہے، حضرت ابوسعیدؓ کا یہ عمل کسی خاص طریقہ پر
 دلالت نہیں کرتا ہے۔

ایک جمعہ کو آکر بیٹھ جانا۔ پھر دوسرے جمعہ کو آکر بیٹھ
 جانا۔ پھر تیسرے جمعہ کو آکر بیٹھ جانا اور آپ کا بار بار رکعت
 پڑھنے کا حکم دینا خاص پر دلالت کرتا ہے؟ ہرگز نہیں کرتا۔
 جناب موصوف کا مندرجہ بالا احادیث سے جمعہ کے
 دوران دو رکعت نہ پڑھنے پر استدلال کرنا مضحکہ خیز ہے۔
 ان کے مقلدین ان استدلال کو تسلیم کریں تو کریں مگر
 محققین ان دلائل کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ
 محققین جانتے ہیں کہ کسی عام حکم کو خاص کرنے کے لئے
 قرینہ صارفہ چاہیئے اور وہ ہے نہیں تو پھر وہ عمل کیسے خاص ہو گیا۔

کسی عام حکم کو خاص کرنا ہو تو درج ذیل حدیث دیکھئے۔
 حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:-
 عید الاضحیٰ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید
 کے بعد خطاب فرمایا، آپ نے فرمایا جس نے ہماری طرح
 نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی وہ ہماری سنت کو پہنچ
 گیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی تو وہ گوشت کی
 بھری ہے۔ قربانی میں سے کچھ نہیں۔ ابو بردہ بن نیار
 رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
 میں نے اپنی قربانی نماز عید سے پہلے ذبح کر لی میں یہ
 سمجھا کہ یہ کھانے اور پینے کا دن ہے۔ اور میں نے چاہا
 کہ سب سے پہلے گھریں قربانی میری ہو۔ انہوں نے کہا
 اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک
 بھیڑ کا بچہ ہے وہ مجھے دو بکریوں سے زیادہ محبوب

ہے۔ تو کیا وہ مجھے کافی ہو جائے گا۔؟ آپ نے فرمایا
ہاں، وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ
(صحیح بخاری و صحیح مسلم) یعنی تمہارے بعد کسی
اور کے لئے کافی نہ ہوگا۔

”وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ“ یہ
الفاظ اس مسئلہ کو خاص کر رہے ہیں۔ اب کوئی اور
آدمی بکری کا بچہ ذبح کر کے قربانی کے فرض سے آزاد
نہیں ہو سکتا۔ لہذا جب ایسے خاص کر نیوالے الفاظ
حضرت سلیک غطفانی والی حدیث میں نہیں ہیں، تو
حضرت سلیک غطفانی والی حدیث عام ہوتی اس
کو آپ نے کیسے خاص کر دیا۔

دوم: یہ کہ ان حضرات کو معلوم تھا
اعتراض | اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے خطبہ کے دوران صلوٰۃ وکلام سے ممانعت فرمائی ہے اس لئے اب اس کا جواز باقی نہیں رہا۔
(اختلاف امت ص ۱۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ
جواب نماز دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے اور کلام
کرنے سے منع فرمایا ہے، بحث کے لئے سابقہ اوراق
دیکھئے۔

پہلی توجیہ، یعنی یہ کہ اس واقعہ کو
اعترض خصوصیت پر محمول کیا جائے اس کے
قرائن مندرجہ ذیل ہیں:-

(الف) خصوصیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحابہ
کرامؓ کے ساتھ متعدد ایسے واقعات پیش آئے کہ انکی
حاضری خطبہ کے دوران ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو دو گنا ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔
 مثلاً:- صحیح بخاری ص ۱۲ ج ۱ (باب الاستسقاء
 فی المسجد الجامع) میں ان صاحب کا واقعہ مذکور ہے
 جنہوں نے خطبہ کے دوران آتے ہی بارش کی دعا کی
 درخواست کی تھی، آپ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا
 حکم نہیں دیا۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
 جواب | ”اِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ
 رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ“، (صحیح مسلم ۱/۲۹۵)
 یعنی جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو
 چاہیئے کہ وہ دو رکعت پڑھے اس سے قبل کہ وہ بیٹھے۔
 کیا جناب موصوف یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ یہاں
 آکر بیٹھ گئے تھے اور جب وہ بیٹھے نہیں تھے تو وہ دو

رکعت کیوں پڑھتے اس لئے کہ حدیث میں بیٹھنے والے پر
دو رکعت پڑھنا فرض ہے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے حکم دینے
سے پہلے کا ہو؟

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی آیا ہو۔ پھر اس
نے آپ سے درخواست کی ہو اور پھر دو رکعت پڑھ کر بیٹھ گیا ہو۔
عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ علاوہ بریں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں تو حکم
دیا ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھو اگر اس حدیث میں
ذکر نہیں ہے تو کیا ہوا۔

ایک مثال ملاحظہ فرمائیے :-

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضوء
کا طریقہ بیان کیا۔ لیکن وضوء کرنے کے بعد جو دعاء پڑھی

جاتی ہے بیان نہیں کی۔ تمام روایات پڑھ جائیے، کہیں آپ کو دعاء کا ثبوت نہیں ملے گا تو کیا وضوء کرنے کے بعد دعاء نہ پڑھیں؟ پڑھیں گے اور ضرور پڑھیں گے۔ کیونکہ دوسری حدیث میں وضوء کرنے کے بعد دعاء پڑھنے کا ثبوت مل جاتا ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح مسلم میں بیان کرتے ہیں۔ اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عثمانؓ نے دعاء وضوء کرنے کے بعد نہیں بتائی تو دعاء نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو کوئی طریقہ بھی آپ کو کسی بھی حدیث میں مکمل نہیں ملے گا اور پریشان ہو کر بیٹھ جائیں گے۔ مزید برآں ہم نے جو توجیہات پیش کی ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانات کے موافق ہیں۔ ایسی

توجیہات پیش نہیں کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
فرمانات کے خلاف ہوں۔ جیسا کہ جناب موصوف نے
توجیہات کی ہیں کہ اسلامی مسائل کو خلط ملط کر کے
اپنے مذہب کو منوانا چاہتے ہیں۔

اعترض (۲) ”پھر اسی روایت میں اس شخص
کے آئندہ جمعہ آنے کا ذکر ہے، اس موقع
پر بھی آپ نے یہ حکم نہیں دیا۔“

جواب (۲) عدم ذکر سے عدم ثبوت لازم نہیں
آتا، دوسری احادیث میں یہ ذکر مل جاتا ہے۔

اعترض (۳) ابوداؤد ص ۱۵۶ ج ۱ (باب الامام:
یکلم الرجل فی خطبته) میں مذکور ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران فرمایا
”بیٹھ جاؤ“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ابھی مسجد کے دروازے کے باہر تھے کہ ارشاد گرامی
 سُن کر وہیں بیٹھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر
 مبارک ان پر پڑی تو ان سے فرمایا: ”ابن مسعود! اندر
 آجاؤ“ مگر ان کو دو رکعت پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔
 (اختلافِ اُمت)

ابوداؤد کی یہ روایت مُرسل
جواب (۳) ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
 (التعلیقات الالبانی علی مشکوٰۃ ۱/ ۴۴۵)

امام ابوداؤد کہتے ہیں۔

هَذَا يَعْرِفُ مُرْسِلًا
 رَوَاهُ النَّاسُ عَنْ عَطَاءٍ
 عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخْلَدًا
 یہ مشہور مُرسل روایت ہے۔
 اس لئے کہ لوگوں نے عطاء
 سے اور عطاء نے نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم سے روایت کیا

شیخ (ابوداؤد ۲۸۶/۱) مخلص ہے۔
 لہذا یہ واقعہ ہی ضعیف ہے مزید بات کیا کی جائے۔
 بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جناب موصوف یوسف صاحب
 نے خاموشی سے ضعیف مرسل روایت پیش کر کے لوگوں
 کو فریب دیا ہے۔

ابوداؤد ص ۱۵۹ ج ۱، اور نسائی
اعتراض (۴) ص ۲۰ ج ۱، میں اس شخص

کا واقعہ مذکور ہے جو خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنیں
 پھلانگتا ہوا آ رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
 سے فرمایا: "اجلس فقد آذیت بیٹھ جا! تو نے ایذا
 دی ہے۔" اور اسے دو رکعتوں کا حکم نہیں دیا۔ (اختلاف

امت ص)

جواب (۴) مندرجہ بالا حدیث صحیح ہے۔ لیکن

اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں ہے گویا دوسری احادیث میں ذکرِ مثل جاتا ہے۔ ابوداؤد کی درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے :-

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابومہریرہ
کہتے ہیں :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اغتسل يوم الجمعة ولبس من احسن ثيابه ومس من طيب ان كان عنده ثم اتى الجمعة فلم يتخط اعناق الناس ثم انصت اذا خرج

رسول الله صلى الله عليه وسلم فرماتے ہیں: جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا اور اپنے کپڑوں میں سے بہترین (کپڑے) پہنے اگر میسٹر ہو تو خوشبو لگائی۔ پھر جمعہ کے لئے آیا اور لوگوں کی گزدیں نہیں پھلانا لگیں

امامہ حتی یفرغ پھر جو نماز اللہ نے اس
 من صلاتہ کانت کے لئے مقدر کر دی تھی
 کفارة لما بینہا و بین پڑھی پھر وہ خاموش بیٹھا
 جمعة التي قبلها رہا جب امام نکل آیا حتی کہ
 (رواہ ابو داؤد و احمد ۸۱/۳) اپنی نماز سے فارغ ہو گیا۔
 ورواہ الحاکم ۲۸۳/۱ صحیح تو وہ جمعہ جو اس سے پہلے
 صوالذہبی تھا اور اس جمعہ کے درمیان
 جو (خطائیں ہوتیں) وہ
 کفارہ ہو جاتی ہیں، وہ
 معاف ہو جاتی ہیں۔

اس حدیث میں موجود ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن
 آتا ہے اور لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگتا اور نماز پڑھتا
 ہے۔ لہذا عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا جب

وہ آدمی پہلے ہی سے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیتے۔ دو رکعت اس شخص کے لئے ہیں جس نے نماز پڑھی ہی نہ ہو۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

من صلی بردتین دخل جنۃ (صحیح بخاری) پڑھیں وہ جنت میں گیا۔
 تو کیا کوئی شخص دو وقت کی نماز پڑھ کر جنت میں چلا جائے گا؟ وہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث میں دو وقت کی نماز کا ذکر ہے اور یہ حدیث بھی پوری ہے تو میں پانچ وقت نماز کیوں پڑھوں جب مجھے دو وقت نماز پڑھنے سے جنت مل رہی ہے۔ لہذا ایسی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس حدیث کا جواب یہی ہوگا کہ اگر اس حدیث میں دو وقت کی نماز کا ذکر ہے تو دوسری احادیث

میں پانچ وقت نماز پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔

الغرض یوسف لدھیانوی صاحب کو زبردست غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے اُن مجمل احادیث سے اس قسم کے استدلال کئے اور اس قسم کی توجیہات پیش کیں جن سے مسائل میں تضاد اور الجھاؤ پیدا ہو جائے۔ بہر حال وہ تمام توجیہات کا عدم ہو گئیں اور یہ بات وضاحت سے معلوم ہو گئی کہ سلیک غطفانی والی حدیث خاص نہیں بلکہ عام ہے اور نمازی کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہوگی۔

لدھیانوی صاحب کہتے ہیں :-

اعتراف | روایات اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کے بیٹھ

جانے کے بعد انہیں دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔
 حالانکہ بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسبح ساقط ہو جاتی
 ہے۔ اور جو شخص مسجد میں بیٹھا ہو اس کے لئے خطبہ
 کے دوران نوافل پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں
 ہے۔ پس اگر یہ خصوصی واستثنائی حکم نہ ہوتا تو ان کے
 بیٹھ جانے کے بعد (اور وہ بھی خطبہ کے دوران) انہیں
 نوافل پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ (اختلاف امت و
 صراطِ مستقیم)

جواب | مندرجہ بالا بیان سے وزح ذیل باتیں ثابت
 ہوئیں :-

(۱) آپ نے حضرت سلیمؓ کو بیٹھ جانے کے بعد
 دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

(۲) بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسبح ساقط ہو

جاتی ہے۔

(۳) بیٹھے ہوئے شخص کے لئے مسجد میں نوافل کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

(۴) یہ حکم خصوصی اور استثنائی ہے۔

جوابات سنئے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیم رضی اللہ عنہ کو بیٹھ جانے کے بعد ہی دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا تو اس میں اعتراض کی کوئی بات ہے۔ اللہ اور اس کا رسول جو چاہیں حکم دیں۔ آپ کون ہوتے ہیں نبی اسلام میں دخل دینے والے۔

دین اسلام میں دخل دینا اور دین اسلام کے مسائل میں نکتہ چینی کرنا کفر کی علامت ہے۔

(۲) مسجد میں بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسجد ساقط

ہو جاتی ہے یہ مسئلہ کسی آیت یا حدیث سے اخذ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیٹھ جانے کے بعد ہی دو رکعت پڑھنے کا حکم فرما رہے ہیں اور لدھیانوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ درو (۲) رکعت ساقط ہو جاتی ہیں۔ اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تسلیم کریں یا یوسف لدھیانوی صاحب کی؟ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی تسلیم کی جائے گی اور کسی غیر نبی کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ اسلام میں نبی کی بات حجت ہوتی ہے، غیر نبی کی بات حجت نہیں ہوتی۔ اب جو شخص اسلام میں مداخلت کرے، اپنی بات کو اسلام میں شامل کرے تو وہ گویا کہ نبی بننے کی کوشش کر رہا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک تو جانتے ہیں بلکہ فرض

ہے۔ البتہ آپ کے نزدیک اور احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ بعد ازاں آپ اپنا یہ گمراہ کن عقیدہ دوسرے لوگوں پر کیوں ڈال رہے ہیں؟
(۴) یہ حکم خصوصی ہے یا مُستثنیٰ۔ سابقہ اوراق ملاحظہ فرمائیے۔

اعترض ”پھر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر تشریف فرما ہوئے تھے کہ سُلَیْکُ رَضِیَہُ اَکْرَبُ بَیْطُہُ گئے، گویا ان سے گفتگو خطبہ کے دوران نہیں بلکہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہوئی چنانچہ صحیح مسلم ص ۲۸۷ ج ۱، میں ہے:“
(اختلاف اُمت)

جواب لدھیانوی صاحب کا یہ بیان بھی غلط اور عدم تحقیق کا نتیجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دوران خطبہ ہی بات کی اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:-

جاء سلیکُ الغطفانی حضرت سلیک غطفانی

یوم الجمعة ورسول الله رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن

صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور رسول اللہ صلی اللہ

یخطب فجلس فقال له علیہ وسلم خطاب فرما ہے

یا سلیک قم فاركح تھے۔ وہ آکر بیٹھ گئے آپ

رکتین وتجوز فیہما نے ان سے فرمایا: اے

سلیک اٹھو اور دو رکعت (صحیح مسلم ۲/۵۹۷)

پڑھو اور ان دونوں کو ہلکا

پڑھو۔

قارئین کرام حدیث آپ کے سامنے ہے معلوم نہیں

یوسف صاحب نے کونسی صحیح مسلم کا حوالہ دے کر لوگوں کو فریب دیا ہے۔

اعتراف | نیز یہ بھی آتا ہے کہ سلیک جب تک دو گانہ سے فارغ نہیں ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ شروع نہیں فرمایا۔ چنانچہ دارقطنی ص ۱۶۹ کی روایت میں ہے :-

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قم فارک رکعتین وامسک عن خطبة حتى فرغ من صلوٰۃ (اختلاف امت و صراط مستقیم ص ۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھو دو رکعتیں پڑھو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے رکے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے۔

”امام دارقطنی اس روایت کو مسند اور مرسل

دونوں طرح روایت کر کے لکھتے ہیں کہ مرسل صحیح ہے
 مرسل روایت جب صحیح ہو تو عام اہل علم کے نزدیک
 حجت ہے۔ اور اگر اس کے طرق متعدد ہوں یا اسکی
 مؤید کوئی اور روایت موجود ہو تو تمام اہل علم کے نزدیک
 حجت ہے۔ یہاں یہی آخری صورت ہے، (اختلاف امت)

مندرجہ بالا حدیث جو دارقطنی کے حوالہ سے
جواب نقل کی ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے۔

ضعیف ہے (فتح الباری ۲/۴۹ وضعفہ)

امام دارقطنی یہ بتا رہے ہیں کہ مرفوع ہونا تو ثابت
 نہیں ہے البتہ مرسل ہونا صحیح ہے۔ مرسل کے بارے
 میں امام ابن حجر کہتے ہیں:-

ان الصواب انه من رواية سليمان التيمي
 سليمان التيمي مرسلا مرسل یا معضل ہے۔

او معضلا (۲/۴۰۹)

فتح الباری)

قارئین کرام معضل روایت ضعیف ہوتی ہے۔
مرسل روایت بھی حجت نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ صحیح مرفوع
احادیث کے خلاف بھی ہو۔

درج ذیل بحث سے معلوم ہو جائے گا کہ مرسل حدیث
جبکہ وہ صحیح مرفوع حدیث کے خلاف ہو حجت نہیں ہوتی۔
اس سلسلہ کی ایک اور مرسل روایت ہے وہ بھی
ضعیف ہے۔

محمد بن قیس کہتے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ علیہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے
وسلم حین امرہ ان جس وقت ان کو حکم دیا
یصلی رکعتین أمسک کہ وہ دو رکعت نماز

عن الخطبة حتى فرغ من ركعتيه ثم عاد الى خطبة - هذا مرسل لا تقوم به الحجة و ابو معشر اسمه نجیح وهو ضعيف (رواه الدارقطني، التعليق المعنى جزء ۲، ص ۱۶)

پڑھیں آپ خطبہ سے رک گئے یہاں تک کہ وہ دو رکعت سے فارغ ہو گئے۔ پھر آپ خطبہ کی طرف لوٹے۔ یہ مرسل ہے۔ مرسل سے حجت قائم نہیں ہوتی ہے اور ابو معشر جس کا نام نجیح ہے۔ ضعیف ہے۔

مزید برآں :-

هذه الزيادة معارضة لقول النبي صلى الله عليه وسلم: اذا جاء أحدكم والامام يخطب او قد

یہ زیادتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے متعارض ہے یعنی جب تم میں سے کوئی آئے اور امام (جمہ)

خرج فليصل ركعتين کے دن (خطبہ دے
 وهذا حديث جيد رہا، ہو یا امام نکل آیا ہو تو
 الاسناد متفق على صحته اس کو چاہیے کہ دو رکعت
 المروى في الصحيح، پڑھے (وہ زیادتی اس
 ومعارضه ليس مما فرمان رسول صلی اللہ علیہ
 تقوم به الحجة لضعفه وسلم سے متعارض ہے)
 ولا رساله فكيف يترك وہ حدیث بہت عمدہ
 العمل به بل ترده هذه سند سے آتی ہے۔ اس
 الزيادة (رواه الدارقطني، کی صحت پر تمام کا اتفاق
 التعليق المغني جزء ۲ ص ۲۷) ہے۔ صحاح میں یہ مروی
 ہے۔ وہ معارضہ اس
 سے جس کے ضعف اور
 ارسال کی وجہ سے حجت

قائم نہیں ہو سکی تو پھر
بتائیے اس کی بنیاد پر عمل
کیسے چھوڑا جاسکتا ہے بلکہ
اس زیادتی کو رد کر دیا جائیگا

”واسک عن خطبۃ حتی فرغ
وضاحت | من صلاتہ“ ۱ مسک عن

خطبۃ حتی فرغ من رکعتیہ ثم عاد الی
خطبۃ“ قارئین کرام یہ زیادتی قبول نہیں کی جائیگی۔

لہذا نوی صاحب رقمطراز ہیں :-
اعترض | اس روایت کے راوی کو دارقطنی نے

ضعیف کہا ہے مگر یہ روایت اوپر کی مرسل صحیح کو مزید
تائید فراہم کرتی ہے۔ (اختلاف امت ص ۳)

جواب | ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ مرسل روایت معضی،

روایت ضعیف ہوتی ہے تو ضعیف روایت ضعیف
کو تائید فراہم کیسے کر سکتی ہے ؟

لدھیانوی صاحب نے حضرت سلیم غطفانیؒ
کے سلسلہ میں جتنی بھی توجہات پیش کی ہیں ان میں
دھوکا، فریب، اعادہ عبارت خلفاء راشدین اور
جمہور صحابہؓ کا نام بار بار لیکر لوگوں پر یہ تاثر ڈالا ہے
کہ ہم خلفاء راشدین اور جمہور صحابہؓ کے بڑے ماننے
والے ہیں حالانکہ یہ فریب ہے۔ ہم جواب سابقہ
اوراق میں دے آئے ہیں۔ وہاں دیکھئے کہ یہ کتنے ماننے
والے ہیں۔

اعترض | لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں :-
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ
سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دورِ نبویؐ میں جمعہ صفر

شہروں میں ہوتا تھا۔ دیہاتی آبادیوں میں نہیں۔
 (اختلاف امت ص ۲۱ جز ۲)
جواب | مندرجہ بالا عبارت سے دو باتیں ثابت
 ہوتی ہیں:-

(۱) عہد رسالت میں شہروں میں جمعہ ہوتا تھا۔
 (۲) دیہاتی آبادیوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔

(۱) کے سلسلہ میں ہمیں کچھ نہیں کہنا:
 ہم صرف (۲) کے سلسلہ میں بات کریں گے۔
 (۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

کہتے ہیں:

ان اول جمعۃ جمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 بعد جمعۃ فی مسجد وسلم کی مسجد میں جمعہ ہونے
 رسول اللہ صلی اللہ کے بعد سب سے پہلے جو

علیہ وسلم۔ فی مسجد جمعہ پڑھا گیا وہ عبدالقیس
 عبدالقیس بجوانی کی مسجد میں بجوانا بحرین
 من البحرین (فتح الباری کے مقام پر پڑھا گیا۔
 شرح صحیح بخاری ۲/۳۷۹) یعنی بحرین کی ایک
 یعنی قریۃ من البحرین بستی میں۔
 (فتح الباری ۸/۸۶)

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد
 نبویؐ میں جمعہ ہوا پھر عبدالقیس کی مسجد میں جمعہ ہوا جو
 ایک بستی تھی شہر نہیں تھا۔
 (۲) حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالک رضی اللہ
 عنہما کہتے ہیں:-

کنت قائد ابی حنین جس وقت میرے والد کی بنیائی
 ذہب بصرہ فکنت چلی گئی میں ان کی قیادت

اذا خرجت به الى
 الجمعة فسمع الاذان
 استغفر لابي امامة
 اسعد بن ذرارة ودعاه
 فمكثت حيناً اسبع
 ذلك منه ثم قلت
 في نفسي والله ان ذا
 لعجزاني اسبعه كلما
 سمع اذان الجمعة
 ليستغفر لابي امامة
 ويصلي عليه ولا اسأله
 عن ذلك لم هو؟
 فخرجت به كما كنت
 کرتا تھا تو جب میں ان کو
 لیکر جمعہ کے لئے نکلا کرتا
 تھا۔ پھر وہ (جمعہ کی) اذان
 سنتے تو اسعد بن ذرارة
 کے لئے بخشش طلب
 کرتے اور ان کے لئے
 دعاء کرتے۔ میں کافی
 دن تک ایسا سنتا
 رہا پھر میں نے اپنے
 آپ سے کہا اللہ کی قسم
 یہ بے بس ہو گئے ہیں۔
 جب کبھی یہ جمعہ کی اذان
 سنتے ہیں تو ابوامامہ رضی اللہ عنہ

أخرج به الى الجمعة مغفرت طلب کرتے ہیں اور
 فلما سمع الاذان ان پر رگمتیں بھجیتے رہتے
 استغفر كما كان ہیں میں ان سے سُننا رہتا
 يفعل فقلت له يا ہوں اور میں نے کبھی ان سے
 ابتاه أرايتك اس سلسلہ میں سوال نہیں
 صلاتك على سعد کیا وہ کیوں ایسا کرتے ہیں؟
 زراة كلما سمعت پھر میں ان کو لیکر جمعہ کے لئے
 النداء بالجمعة نکلا، جیسے میں نکلا کرتا تھا۔
 لم هو؟ قال! اي پھر جب انہوں نے اذان سُنی
 بنى كان اول من تو مغفرت کی جیسے وہ (مغفرت)
 صلى بنا صلاة کرتے تھے میں نے ان سے کہا
 الجمعة قبل مقدم اے میرے والد جب کبھی آپ
 رسول الله صلى الله جمعہ کی اذان سُنتے ہیں تو

علیہ وسلم من مکة اسعد بن زہرہ پر رحمت
 فی نقیع الخضات فی غرور بھیجے ہیں آپ مجھے
 هزم من جرّة بنی بیاضہ بتائیے اب ایکوں کرتے
 قلت کم کنتم یومئذ؟ میں؟ حضرت کعب
 قال أربعین رجلاً بن مالکؓ نے کہا
 (رواہ ابن ماجہ والبوداؤد و اے میرے بیٹے سب
 ابن حبان وغیرہما حدیث سے پہلے جمعہ کی مناسبت
 عبد الرحمن بن کعب بن مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 ان اباه واسناد حسن وسلم کے مکہ سے تشریف
 تلخیص ابن حجر جز ۲ ص ۵۷ لانے سے پہلے ہزم حرہ
 وفتح الباری ۲/۳۵۵ و سند بنو بیاضہ (مدینہ منورہ)
 صحیح) (ورواہ البیہقی ۳/۱۷۷ کی ایک بستی میں اسعد
 وسندہ صحیح) بن زہراہ نے ہمیں جمعہ

کی نماز پڑھانی تھی میں اس

لئے ان پر رحمت اور دُعا

کرتا ہوں۔ میں نے کہا:

آپ اس وقت کتنے آدمی

تھے؟ انہوں نے کہا چالیس۔

قارئینِ کرام اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ آمد سے پہلے مسابین ایک بستی یا

قریہ یا ایک دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے اور

چالیس کا عدد مزید اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک

بستی اور گاؤں تھا۔ پھر ان احادیث کی بنیاد پر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی حکم دیتے تھے کہ تم جہاں

کہیں بھی ہو جمعہ قائم کرو۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:-

جمعوا حیث ماکنتم جہاں بھی ہو تم جمعہ
 (کنز العمال ۸/۶۹ فتح الباری قائم کرو
 ۳۸۰/۲ دسکت علیہ الحافظ
 صحیح ابن خزيمة نیل الاوطار
 (۱۶۲/۲)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:-
 انہم کتبوا الی عمر انہوں نے حضرت عمرؓ
 یسألونہ عن الجمعة کو (خط) لکھا (اور) وہ
 فکتب جمعوا حیث جمعہ کے بارے میں معلوم
 کنتم (رواہ ابن ابی شیبہ کرہے تھے۔ تو حضرت عمرؓ
 فتح الباری ۲/۳۸۰ و صحیح) نے (خط) لکھا کہ جہاں
 کہیں بھی تم ہو جمعہ قائم
 کرو۔

(۵) نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :-

کان ابن عمری اهل حضرت عبداللہ بن عمر رضی
المدینہ بین مکة والمدینة اللہ عنہما مکہ اور مدینہ کے
یجمعون فلا یعیب اہل کنوئیں والوں پر یعنی
علیہم (رواہ عبدالرزاق کسانوں پر جو جمعہ (قائم)
فی مصنف ۱۷۰/۳ و کرتے تھے کسی قسم کا عیب
فتح الباری ۳۸۰/۲ وسندہ لگاتے تھے اور نہ حرج سمجھتے
صحیح) تھے۔

(۶) ولید بن سلم نے لیث بن سعد سے معلوم کیا۔
(کہ گاؤں اور بستی والے بھی جمعہ قائم کر سکتے ہیں؟ لیث
بن سعد نے کہا :-

کل مدینة اوقریة ہر شہر یا بستی جس میں عمت
فیہا جماعة وعلیہم ہو اور جن پر امیر ہو وہ ان

امیر امر و الجمعة کو جمعہ کا حکم دیتے ہوں تو
 فلجمع بہم فان اهل الاسکندرية ومدائن
 مصر ومدائن سواحلها کانوا یجمعون الجمعة
 علی عہد عمر بن الخطاب وعثمان
 بن عفان رضی اللہ عنہما بامرہما و فیہما
 رجال من الصحابة (رواہ البیہقی ۳/۱۷۸-۱۷۹ و
 فتح الباری وسکت علیہ الحافظ) (نیل الاوطار ۲/۱۶۲)
 کو جمعہ کا حکم دیتے ہوں تو پھر ان کو چاہیئے وہ ان
 کو جمعہ کرائیں۔ کیونکہ اہل اسکندریہ، شہر کے
 قصبوں میں، ساحل سمند کے چھوٹے چھوٹے قصبوں
 میں عہد عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان رضی
 اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ (کی نماز) ان دونوں کے
 حکم سے ہوا کرتی تھی مزید برآں ان قصبوں میں صحابہ
 کرام رضی اللہ عنہم کی ایک

جماعت بھی موجود تھی۔

حضرت عمر، حضرت عثمان اور دوسرے صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم کے دور میں جمعہ دیہاتوں، بستیوں اور قصبوں
میں ہوتا تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
مبارک میں عبد القیس کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا۔ جو ایک
گاؤں تھا۔

یونس بن یزید اہلی کہتے ہیں :-

کتب رزق بن حکیم الی حضرت رزق بن حکیم نے
ابن شہاب۔ وانا معہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ
یومئذ بوادی القری۔ کو خط لکھا اور میں اس
ہل تری ان اجمع وقت وادی قری میں
ورزق عامل علی ارضی ان کے ساتھ تھا آپ
یعملہا وفیہما جماعۃ مجھے بتائیے کہ میں (واؤی)

من السودان وغيرهم قزاقی میں جمعہ کروں ہ۔
 وُزِيقُ يَوْمِئِذٍ عَلٰی اور رُزِيقُ اس میں پرِ عِلّٰلِ
 اٰيِلَةُ فِكْتَبِ ابْنِ تھے وہاں کام وغیرہ کرتے
 شهاب۔ وَاَنَا اَسْمَحُ تھے اس بستی میں سودان
 يَا مَرْءَا اَنْ يَجْتَمِعَ۔ اور دوسرے لوگوں کی
 (فتح الباری شرح صحیح ایک جماعت موجود تھی اور
 بخاری ۲/۳۸۰) رُزِيقُ اس وقت ایلہ بر

امیر بھی تھے۔ ابن شہاب
 نے ان کو خط لکھا ابن شہاب
 ان کو حکم دے رہے تھے
 اور میں سن رہا تھا کہ وہ
 جمعہ کرائیں۔

لہذا شہروں گاؤں اور بستیوں میں جمعہ پڑھنا

سنتِ نبویؐ صحابہ کرام اور تابعین کے عمل سے ثابت ہے تو پھر لدھیانوی صاحب کیسے کہتے ہیں کہ دیہاتی آبادیوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ قارئین کرام ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لدھیانی صاحب کے ذہن پر تقلید کا پرہ ہے جس کی وجہ سے ان کو یہ دلائل دکھائی نہیں دیتے۔

اعترض ”جمعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے فرض ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ طیبہ میں شروع ہو چکا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں جمعہ نہیں ادا کر سکے۔“

(اختلافِ امت جلد ۲ ص ۲۰۸)

جواب جی ہاں بالکل درست ہے۔ کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے فرض ہو چکا تھا اور آپ ہی کے حکم سے مدینہ منورہ میں بھی شروع ہو چکا تھا مگر

کافروں کی ایذا دہی کی وجہ سے ادا نہیں کر سکے۔

اعتراف | جناب لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں:-
 مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم قبا میں پیر کے دن (۱۲ ربیع الاول کو) تشریف
 لائے اور دس روز سے زیادہ قیام فرمایا (فلبت لضع عشرة
 لیلة) صحیح بخاری ص ۵۵۵ ج ۱) صحیح بخاری کی ایک
 اور روایت میں چودہ دن قیام کی تصریح ہے (۵۶۱ ج ۱)
 اور ایک نسخہ میں چوبیس دن کا ذکر ہے (ص ۵۶۱ ج ۱) اگر
 چودہ دن ہی لئے جائیں تب بھی ظاہر ہے کہ کم از کم دو
 جمعہ ضرور آئے ہوں گے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے وہاں جمعہ قائم نہیں فرمایا نہ اہل قبا کو جمعہ پڑھنے
 کا حکم فرمایا۔ بلکہ مدینہ طیبہ پہنچ کر جمعہ کا آغاز فرمایا۔ اس
 سے واضح ہے کہ چھوٹی بستی میں جمعہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ

ہے کہ دو سالہ دورِ نبویؐ میں قباء میں جمعہ نہیں ہوا۔
(اختلافِ امت ص ۲۰۸ جزء ۲)

جواب | جب ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ فرض ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جمعہ کے قیام کا حکم صادر فرما کر چلے گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں اور راستہ میں قباء کے مقام پر آپ نے قیام فرمایا ہو جمعہ نہ پڑھا ہو؟ یہ بات قیاس میں آتی ہے، یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہے کہ جمعہ فرض کرنے کے بعد آپ نے خود نہ پڑھا ہو؟ نہیں جمعہ آپ نے ضرور پڑھا ہوگا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :-
واقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فی بنی عوف بقباء وسلم نے بنو عوف
 یوم الاثنين والثلاثاء قباء مقام پر پیر،
 والاربعاء والخمیس منگل، بدھ اور
 وأستس المسجد بقباء جمعرات کو قیام فرمایا۔
 وصلى فيه تلك الايام، اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی
 فلما كان يوم الجمعة اودان ایام میں آپ مسجد
 خرج على ناقته القصوى قباء میں نماز پڑھتے رہے
 يوم الجمعة يريد المدينة پھر جب جمعہ کا دن ہوا تو
 (السيرة النبوية للحافظ آپ اپنی قصوی اونٹنی
 ابی حاتم ص ۱۴۱، ص ۱۴۲ پر سوار ہو کر) مدینہ کا
 دلائل النبوة للبيهقي، ارادہ کر کے روانہ ہو گئے۔
 ۵۱۲/۲ وفتح الباری شرح
 صحيح بخاری ۷/۲۲۵

خط کشیدہ الفاظ قارئین کرام قابل غور ہیں: رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں نماز پڑھتے رہے یعنی
 جتنے دن آپ نے قباء کے مقام پر قیام فرمایا آپ برابر
 نماز پڑھتے رہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے جمعہ
 نہ پڑھا ہو جبکہ جمعہ المبارک فرض ہو چکا تھا اور دوسرے
 جمعہ کو تو آپ روانہ ہی ہو گئے تھے۔ لہذا ایک جمعہ آپ
 نے مسجد قباء میں پڑھایا اور دوسرا جمعہ مسجد نبویؐ میں
 پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ فرض کر دیا ہے۔
 اس میں شہر یا قصبہ یا بستی یا گاؤں دیہات وغیرہ کی
 کوئی قید نہیں۔

درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے:-

ان النبی صلی اللہ علیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 وسلم حین ركب من ہجرت کے موقع پر جس

بنی عمرو بن عوف وقت آپ بنی عمرو بن عوف
 فی ہجرتہ الی المدینۃ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے
 مر علی بنی سالم وہی تو آپ بنو سالم جو ایک بستی
 قریۃ بین قباء و تھی قباء اور مدینہ کے درمیان
 المدینۃ فادرکتہ سے گزرے پھر آپ کو جمعہ
 الجمعة فصلی فیہم نے پالیا۔ پھر آپ نے ان
 الجمعة وکانت اول کو جمعہ پڑھایا۔ جس وقت
 جمعة صلاہا حین آپ وہاں پہنچے، یہ پہلا
 و قدم (رواہ البیہقی، جمعہ تھا۔
 فی المعرفۃ عن معاذی
 ابن سعد من طریق
 الواقدی باسانیدہ
 و تلخیص ابن حجر جز ۲

ص ۵۴۔)

یہ واقعہ بھی یوسف صاحب کے رد کے لئے کافی ہے۔ ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے۔

لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں:-
اعتراف ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اکبر بالاجماع
 جمعہ کو ہوا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفات
 میں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور نہ اہل مکہ کو وہاں جمعہ پڑھنے
 کا حکم فرمایا۔ اس سے واضح ہے کہ ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں
 بلکہ اس کے لئے خاص قسم کی آبادی شرط ہے۔“

(اختلاف امت..... ص ۲۸۸ جزء ۲)

حج اکبر یوم النحر کو کہتے ہیں۔ حضرت
جواب عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں:-

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم وقف النحرین وسلم یوم النحر کو اس حج میں
 الجمرات فی الجمعة جو آپ نے کیا تھا جمرات
 التی حج، فقال انی یوم کے درمیان وقوف کیا،
 هذا قالوا یوم النحر پھر آپ نے فرمایا یہ کونسا
 قال هذا یوم الحج دن ہے؟ صحابہ کرام رضی
 الاکبر (صحیح ابوداؤد) رضی اللہ عنہم نے کہا
 للالبانی ۱/۳۶۷ یوم النحر۔ آپ نے فرمایا
 یہ حج اکبر کا دن ہے۔

ایک اور روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 عنہ کہتے ہیں :-

بعثنی ابوبکر فمین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 یؤذن یوم النحر بمنی عنہ نے ان لوگوں میں
 ان لا یسج بعد العمام جو قربانی کے دن یہ اعلان

مشارك ولا يطوف کر رہے تھے کہ اس سال
 بالبیت عریان و یوم کے بعد کوئی مشرک حج
 الحج الا اکبر یوم نہیں کرے گا۔ اور کوئی
 النحر، والحج اکبر الحج شخص برہنہ ہو کر طواف
 (صحیح البوداؤد ۱/۳۶۷) نہیں کر لیا مجھے بھیجا۔

یہ حج اکبر کا دن تھا، یوم
 النحر کو کہتے اور الحج اکبر
 حج کو کہتے ہیں۔

یہ تو ہے سنت کے مطابق ”حج اکبر“ کی تعریف
 اب ”بالاجماع جمعہ کو ہوا تھا“ یہ الفاظ کہاں سے نقل
 کئے ہیں اور کس کا ان الفاظ پر اجماع ہے۔

یوسف صاحب اور ان کے مقلدین کا ہی اس
 پر اجماع ہو سکتا ہے ورنہ کسی صحیح حدیث میں یہ چیز نہیں ہے۔

پھر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ سفر میں جمعہ فرض ہے یا نہیں۔؟

اعتراف | صحیح بخاری ص ۱۲۳ ج ۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كان الناس يتنابون لوگ اپنی اپنی جگہوں سے الجمعة من منازلهم اور عوالی سے جمعہ کے لئے والعوالی باری باری آتے تھے۔

”اہل قبا کے جمعہ کے لئے باری باری مدینہ طیبہ آنے سے دو باتیں معلوم ہوتیں۔ ایک یہ کہ اہل قبا پر جمعہ فرض نہیں تھا۔ ورنہ وہ باری باری نہ آیا کرتے۔ بلکہ سب کے سب آتے۔“

جواب | قارئین کرام ہم مندرجہ بالا حدیث سے ایسا مطلب کیوں لیں جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف ہو۔ ”جب یوسف
لدھیانوی صاحب یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ جمعہ
مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل فرض ہو چکا تھا“

(ص ۲۸۸ جزء ۲ پر دیکھئے) اور جب جمعہ فرض ہو چکا تھا
تو عوالی مدینہ کے لوگوں پر یہ الزام لگانا کہ وہ جمعہ چھوڑ
دیتے تھے کس قدر نامناسب بات ہے۔ یوسف صاحب
فرض کا تارک کون ہوتا ہے؟

اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ عوالی مدینہ
کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز
جمعہ پڑھنے آتے تھے یعنی کچھ لوگ عوالی مدینہ میں ہی نماز
جمعہ پڑھ لیتے تھے اور کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی معیت میں نماز جمعہ پڑھنے آ جاتے تھے تاکہ ان کو تشریف
حاصل ہو جاتے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہمراہ نمازِ جمعہ پڑھی ہے۔

اعتراف | دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عوالی میں جمعہ نہیں ہوتا ورنہ باقی حضرات وہاں جمعہ پڑھا کرتے۔

جواب | یہ یوسف صاحب کا غلط استدلال ہے۔

اعتراف | یوسف صاحب رقمطراز ہیں :-
نسائی ص ۲۳۵ ج ۱، ابوداؤد ص ۱۵۳،

ج ۱، دارمی ص ۳۱۶ ج ۱ (طبع جدید) میں زید بن ارقم سے

ابوداؤد ص ۱۵۳ ج ۱، وغیرہ میں ابوہریرہ سے ابن ماجہ

ص ۹۴ اور مجمع الزوائد ص ۱۹۵ ج ۲ میں ابن عمر سے اور

مشکل الآثار طحاوی ص ۵۶ ج ۲ میں ذکوان سے (رضی اللہ

عنہم) روایت ہے۔ سب کا مشترک مضمون یہ ہے کہ ایک

بار جمعہ کو عید ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے

بعد فرمایا کہ :-

”ہم تو جمعہ پڑھیں گے۔ جو چاہے ہمارے ساتھ جمعہ پڑھے اور جو چاہے واپس اپنے گھر لوٹ جائے“ (اختلاف امت و صراطِ مستقیم ص ۲۰۹ جز ۲)

ایاس بن ابی رملہ کہتے ہیں :-

جواب | میں معاویہؓ کے ہمراہ تھا اور معاویہؓ حضرت

زید بن ارقم سے معلوم کر رہے تھے کیا آپ عیدین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں؟ جبکہ دو عیدیں جمع ہو گئیں ہوں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جی ہاں۔ حضرت معاویہؓ نے کہا آپ کس طرح کرتے تھے؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا :-

صلی العید ثم رخص فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
الجمعة فقال من شاء وسلم نے عید کی نماز پڑھائی

ان یصلیٰ فلیصل پھر آپ نے جمعہ کے
 (رواہ ابوداؤد ۱/۲۸۱، لئے رخصت دے دی۔
 درامی ۱/۳۱۷ وابن ماجہ آپ نے فرمایا: جو
 ۱/۲۱۵، ورواہ النسائی شخص چاہے کہ وہ
 جزء ۳ ص ۱۹۲ وسندہ حسن (ہمارے ساتھ جمعہ
 صحیح) کی (نماز پڑھے تو وہ ہمارے
 ساتھ نماز پڑھ لے۔

اس حدیث سے عام رخصت مل رہی ہے وہ چاہے
 عوالی مدینہ کے لوگ ہوں یا وہ دوسری جگہوں کے لوگ
 ہوں۔ اس حدیث سے صرف عوالی مدینہ کے لوگ مراد
 لینا حدیث کی منشا کے خلاف ہے ”مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ
 فَلْيُصَلِّ“ کے الفاظ عام لوگوں کو رخصت دے رہے
 ہیں۔ اس حدیث سے عوالی مدینہ کے لوگوں کی قید لگانا

اپنے مذہب کی بیجا حمایت کرنا ہے۔

البتہ حضرت زکوان والی حدیث سے عوالی مدینہ کے لوگوں کو رخصت ملتی ہے۔ حضرت زکوان کہتے ہیں:-

اجتمع عیدان علی عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

النبی صلی اللہ علیہ عہد مبارک میں دو عیدیں

وَسَلَّمَ فَقَالَ اَنْكُمْ قَدْ جمع ہو گئیں۔ آپ نے

اَصَبْتُمْ خَيْرًا وَّذِكْرًا اَنَا فرمایا: تم خیر اور ذکر کو پہنچ

مجموعون فمن شاء ان گئے۔ ہم تو جمع ہو چکے ہیں

يَجْمَع فليجمع ومن شاء گئے۔ پھر جو شخص چاہے

ان يرجع فليرجع (رواہ کہ وہ جمع ہو جائے تو اس

البیہقی موصولاً عن ابی کو چلاہیے وہ جمع ہو جائے

ہریرۃ ومصنف عبدالرزاق اور جو شخص چاہے کہ وہ لوٹ

۳/۴۳۰ و مشکل الاثنا ۲/۵۶) جلتے تو وہ لوٹ جائے۔

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جمعہ
اور عید جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے کے بعد اب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھنے کی رخصت
دے دی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے عام
اجازت مل رہی ہے اور حضرت ذکوان کی حدیث سے عوالی
مدینہ کے لوگوں کو اجازت مل رہی ہے۔

لیکن اجازت اس شکل میں مل رہی ہے جبکہ
جمعہ عید کے دن واقع ہو جائے ورنہ نہیں یعنی اگر
جمعہ عید کے دن واقع نہ ہو تو پھر یہ رخصت موقوف
ہو جائے گی۔

یوسف لدھیانوی صاحب کا ابن جریر کے قول
سے عام حالت میں ترک جمعہ کا استدلال کرنا مضحکہ خیز

ہے۔ شاید اسی وجہ سے انہوں نے ابن جریر کا پورا قول نقل نہیں کیا۔ ملاحظہ فرمائیے:-

ابن جریر کہتے ہیں مجھے اہل مدینہ میں سے کسی نے خبر دی۔

ان الذی صلی اللہ علیہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
وسلم اجتمع فی زمانہ زمانے میں جمعہ کا دن اور
یوم جمعۃ و یوم فطر فطر کا دن یا جمعہ کا دن اور
و یوم جمعۃ و اضحیٰ فصلی اضحیٰ جمع ہو گئے۔ آپ
بالناس العید الاول نے لوگوں کو پہلی نماز پڑھائی
ثم خطب فأذن للانصار یعنی عید کی نماز پڑھائی۔
فی الرجوع الی العوالی پھر خطاب فرمایا اور انصار
وترک الجمعة فلم یزل کو عوالی مدینہ میں لوٹ
الامر علی ذلک بعد جانے کی اجازت دیدی۔

(مصنف عبدالرزاق ۳/۳۰۲) اور جمعہ چھوڑنے کی (بھی)

(اختلاف امت ص ۲۱) اجازت دے دی۔ پھر

یہ معاملہ اسی حالت پر رہا۔

قارئین کرام آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ یوسف

صاحب کے استدلال کس قسم کے ہوتے ہیں کہ پڑھ کر حیرت

ہوتی ہے کہ یہ عالم دین ہیں۔ اس قسم کے استدلال کر کے

لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور بے بسی کا عالم یہ ہے کہ مقلد

ہو کر غیر مقلدین کے اقوال سے بھی سہارا لے رہے ہیں یعنی

قرطبی اور ابن حجر کے قول سے۔

پھر یوسف صاحب نے سلف صالحین کا عمل

پیش کیا ہے مگر وہ بھی عید اور جمعہ ہونے کی شکل میں ہے۔

لہذا کالعدم ہے۔

پھر یوسف لدھیانوی صاحب نے حضرت علی رضی

کے قول سے استدلال لیا ہے کہ کا جمعہ
 (اختلاف اُمت - ص ۱۲) یعنی جمعہ نہیں ہوتا مگر ٹرے
 شہریں۔

قارئین کرام اسلام میں کسی کا قول و فعل حجت
 نہیں ہوتا۔ ورنہ درج ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیے جو ہمارے
 مسئلہ کو تقویت دے گا۔

افلح حضرت ابو الیوبؓ کے غلام کہتے ہیں:-

کا ابن سلام یأتینا ابن سلام جمعہ کے روز
 یوم الجمعة فیعلق ہمارے پاس آتے تھے
 معہ اداة من ماء و اودان کے پاس پانی کا
 یجمع من العوالیٰ - ایک برتن ہوتا تھا اور وہ
 (رواہ ابن ابی شیبہ وسندہ عوالی (مدینہ) میں جمعہ
 صبح ۱۲/۲) کراتے تھے۔

اس موقوف حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت
 عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عوالی مدینہ میں جمعہ کرتے
 اور پڑھاتے تھے۔ اس دلیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو
 لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی معیت
 میں جمعہ پڑھ لیا کرتے تھے وہ تو جمعہ پڑھ ہی لیا کرتے تھے۔
 اور جو لوگ عوالی مدینہ میں رہ جاتے تھے وہ عوالی مدینہ
 میں جمعہ پڑھ لیا کرتے تھے۔
 ابن عون کہتے ہیں:-

کان محمد یسأل عن الرجل (جب) محمد بن سمرین سے
 یجمع من هذا المزالف اس شخص کے بارے میں
 فیقول قد کانت الذنبا سوال ہوتا تھا کہ ان گاؤں
 یجمعون من المزالف میں جمعہ پڑھ لیتا ہے تو محمد
 حول المدینة (رواہ ابن کہا کرتے تھے کہ انصار مدینہ

ابی شیبہ ۲/۱۳۱ (سنن صحیح) منورہ کے ارد گرد گاؤں
میں جمعہ کرتے تھے۔

جعفر بن برقان کہتے ہیں :-

کتب عمر بن عبدالغزیز عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ
الی عدی بن عدی یما علیہ نے عدی بن عدی
اہل قریۃ یسواہل کی طرف خط لکھا؛ کوئی
عمود ینتقلون فامر بھی اہل قریہ وہ اہل عمود
علیہم امیراً یجمع بہم نہیں ہیں کہ وہ منتقل
(رواہ ابن ابی شیبہ ۲/۱۱) ہو جائیں۔ پھر انہوں نے
وتلخیص ابن حجر جزء ۲۵۵ ان کو امیر مقرر کیا (پھر)
سکت علیہ الحافظ وہ ان کو جمعہ پڑھانے لگے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :-

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم ابی قریٰ
 عربینہ، فدک وینبع و
 بنوہا من القری علی
 مسیرۃ ثلاث من المدینۃ
 ان یجمعوا وان یصلوا
 العیدین (مصنف
 عبدالرزاق ۳/۳۰۱) قری
 بنوہا المدینۃ فی طروق الشام
 ۳۲۲/۱ وقد جاء فی روایت
 اخری اطلاق قری عربینۃ
 علی فدک.... حاشیہ
 مصنف عبدالرزاق

وسلم نے بستیوں کی طرف
 بھیجا یعنی عربینہ، فدک
 ینبع اور اسی کے مطابق
 جو بستیاں تین میل
 کے فاصلہ پر تھیں مدینہ
 سے یہ کہ وہ جمعہ کراہیں اور
 عیدین کی نماز وغیرہ
 پڑھائیں۔

یہ روایت مرسل صحیح ہے۔
امام زہری ہی کہتے ہیں :-

بعث رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم	نے مصعب بن عمیر بن ہاشم
مصعب بن عمیر	کو اہل مدینہ کی طرف بھیجا
بن ہاشم اہل	تاکہ وہ ان کو قرآن شریف
المدينة لیقرئہم	وغیرہ پڑھائیں اور رسول
القرآن فاستاذن	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
رسول اللہ صلی اللہ	انہوں نے اس بات کی اجازت
علیہ وسلم ان یجمع	طلب کی کہ وہ ان کو جمعہ
بہم فاذن لہ رسول	پڑھائیں۔ رسول اللہ صلی
اللہ صلی اللہ علیہ	اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت
وسلم ولیس یومئذ	دے دی اور اس وقت

بامیرولکنہ انطلق بعلم وہاں کوئی امیر نہ تھا لیکن
 اہل المدینہ مصنف وہ اہل مدینہ کو تعلیم دینے
 عبدالرزاق ۱۶۰/۲ گئے تھے۔

یہ روایت بھی مرسل صحیح ہے۔

درج ذیل روایت مندرجہ بالا روایت کی مزید
 تشریح کرتی ہے۔

مسلمہ بن عبد الملک نے امام زہری کو خط لکھا،
 انی فی قریۃ فیہا اموال میں ایک ایسی سستی میں ہوں
 کثیر و اہل و ناس انا اس میں بہت مال ہے
 جمع بہم و یست بامیر اور اہل ہیں اور لوگ بھی ہیں۔
 فکتب الیہ ان مصعب کیا میں ان کو جمعہ پڑھاؤں
 بن عبد استاذن رسول جبکہ یہاں امیر نہیں ہے۔
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام زہری نے اٹھا کہ حضرت

بأن يجمع باهل المدينة مصعب بن عمير نے رسول
 فاذن له فجمع بهم وهم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 يومئذ قليل فان رايت اہل مدینہ کو جمعہ پڑھانے
 ان تكتب الى هشام حتى کی اجازت طلب کی آپ
 يا اذن لك فافعل — نے ان کو اجازت دیدی۔
 (مصنف عبد الرزاق ۱۶/۳ پھر وہ ان کو جمعہ پڑھاتے
 وسند حسن) اور وہ اس وقت قلیل

تھے پھر اگر تم ہاشم کو لکھو
 یہاں تک کہ وہ تمہیں اجازت
 دے دے تو ایسا ہی کرنا۔

الغرض جمعہ ہم کہیں بھی پڑھ سکتے ہیں شہر کی قید فضول
 اور باطل ہے۔ ہم نے (اختلاف امت اور صراطِ مستقیم) کی خاص
 خاص باتوں کا جواب دے دیے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا
نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا،
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ (آل عمران - ۶۷)

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے، نہ عیسائی تھے
بلکہ وہ تو ایک اللہ کے ماننے والے مسلم تھے۔ وہ
مشرکین میں سے بھی نہیں تھے۔

○

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ
تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ○ (اعراف - ۱۲۶)

اے ہمارے رب ہمیں صبر عطاء فرما اور ہمیں اس
حالت میں موت دے کہ ہم مسلم ہوں۔

